لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

ماہنامہ

نومبر 2026ء

طلوعِ اسلام

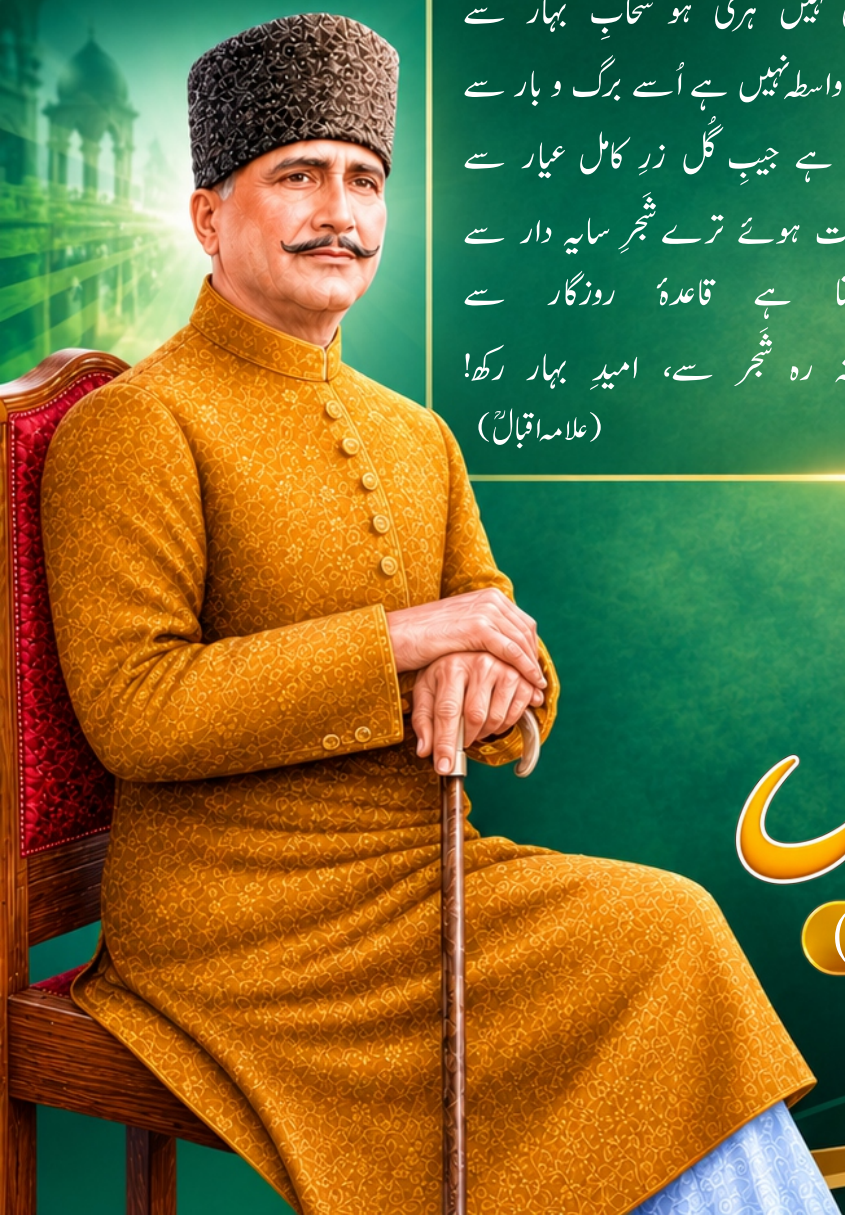
لاہور

اشاعت کا بیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے
ہے تیرے گُلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دَور — خالی ہے جیبِ گُل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خَلوتِ اوراق میں طیور — رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
شاخِ بُریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو — ناآشنا ہے قاعدۂ روزگار سے
مِلّت کے ساتھ رابطۂ اُستوار رکھ — پیوستہ رہ شجر سے، امیدِ بہار رکھ!

(علامہ اقبالؒ)



یومِ اقبال

یومِ پیدائش (9 نومبر 1877ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کے علمی اسلوب تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبالؒ، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثرانداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرز خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور
نومبر 2026ء

جلد 79 شمارہ نمبر 11

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: نظامِ پاکستان کے متعلق علامہ اقبال کا خط	ادارہ	4
مقام حکیم المانوی نطشہ	پرویز علیہ الرحمہ	6
غلام احمد پرویزؒ سے علامہ اقبال کے متعلق انٹرویو	ایم۔ایس۔ناز	13
علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں	مولانا حافظ غلام مرشد مرحوم	20
اقبالؒ اور پرویزؒ	محمد سلیم اختر	49

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 100 روپے فی پرچہ
پاکستان: 1200 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1500 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)--Chapter 3: Spring's Message (*Payam-e Fasl-e Bahar* پیام فصل بہار) – Message to Fellow-Ambassadors** (Tulu-e-Islam Convention, November, 1959) By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)	59

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

نظامِ پاکستان کے متعلق علامہ اقبالؒ کا خط قائداعظمؒ کے نام

اس قسم کی خبریں پاکستان میں آئے دن گردش کرتی رہتی ہیں۔ کبھی امریکی صدارتی نظام پر غور ہوتا ہے تو کبھی فرانسیسی نظامِ حکومت پر لیکن قرآنِ کریم کے نظام پر کسی کی توجہ نہیں جاتی جو اسلامی آئین کا سرچشمۂ ابدی ہے، جس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کا دیا ہوا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ حصول پاکستان کے بعد، وہ پاکستان میں کس قسم کے نظام کا نفاذ چاہتے تھے؟ اس کے متعلق انہوں نے اپنا نظریہ اس خط میں واضح کیا تھا جو انہوں نے 28 مئی 1937ء کو قائداعظم علیہ الرحمۃ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے اس خط میں پہلے یہ بتایا کہ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہونا چاہئے اور اس کے بعد یہ کہ اگر ان کے تصور کے مطابق مسلمانوں کی جداگانہ مملکت قائم ہوگئی تو اس کا نظام کن خطوط پر متشکل ہونا چاہئے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی خوش حالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گذشتہ دوسو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے..... اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو؟ (علامہ اقبالؒ)

''لیگ کو آخر لامر یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسی جماعت رہنا چاہتی ہے جو صرف مسلمانوں کے اعلیٰ

طبقہ کی نمائندگی کرے یا وہ عوام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت تک عوام نے لیگ میں کوئی دل چسپی نہیں لی اور اسکی ان کے پاس وجوہات ہیں۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی مرفہ الحالی کا وعدہ نہیں دے سکتی، عوام کے لئے کبھی جاذبِ نگاہ نہیں بن سکے گی۔ (اس وقت حالت یہ ہے کہ) آئینِ جدید (یعنی 1935ء کے آئین) کے مطابق، اعلیٰ ملازمتیں امراء کے بیٹوں کے حصہ میں آجائیں گی اور نچلی ملازمتیں وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے وقف ہو جائیں گی۔ (عوام اور متوسط درجہ کے مسلمانوں کا ان میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ یہ تو رہا ملازمتوں کی بابت، اسی طرح) دیگر معاملات میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی مرفہ الحالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے..... اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو۔ لیگ کا مستقبل اسی سوال کے حل پر موقوف ہے۔ اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک اس سے بے تعلق رہے ہیں، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (Development) دی جاسکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان پرورش (Subsistence) ضرور مل جاتا ہے (ہندوؤں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں) اگر ہندوؤں نے اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اسلام کے لئے اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے ٹکرائے نہیں، اسلام میں کسی تبدیلی کے مرادف نہیں ہوگا بلکہ اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا وہ شروع میں تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پرویز علیہ الرحمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(شرح جاوید نامہ از علامہ پرویز علیہ الرحمہ سے اقتباس)

مقام حکیم المانوی نطشہ

اقبالؒ کی نیٹشے اور برگسان کے ساتھ قلبی رشتے کی نوعیت اور وجہ جواز

اب درمیان میں اقبالؒ حکیم المانوی نیٹشے (1900-1844ء) کو لانا چاہتا ہے۔ نیٹشے کے متعلق وہ کہہ رہا ہے کہ ''قلبِ او مومن، دماغش کافر است'' (اس کا دل تو مسلمان ہے لیکن اس کا دماغ کافر ہے)۔ ایمانِ قلبی کی بنا پر ہی تو وہ اس کو کائنات سے اوپر بھیجنا چاہتا ہے جبکہ دماغی کفر کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل نہیں کر سکتا لہٰذا اسے بھی اقبالؒ نے درمیان میں لٹکا دیا ہے۔ نیٹشے سے اقبالؒ کو بڑی عقیدت تھی۔ اصل میں یوں کہہ لیجیے کہ اقبالؒ (1938-1877ء) متاثر ہوا یا نہیں ہوا' میں اس بحث میں نہیں پڑتا لیکن یہ ضرور ہے کہ اس نے اس کا خاصا اثر لیا ہے۔ اقبالؒ نے اپنی خودی کی فلاسفی میں برگسان سے بھی اثر لیا ہے۔ ان دونوں میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اقبالؒ ٹائم کے متعلق برگسان سے متاثر ہے۔ اور اقبالؒ کے پیام میں ہمیں جو قوتِ جلال ملتی ہے' یہ سب نیٹشے سے اخذ کردہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے نیٹشے کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کون تھا' کیا تھا اور اس کی یہ کیفیت کیوں تھی؟

GENIUS (نابغہ) کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ اگر یہ دیکھنا مقصود ہو کہ وہ کون ہے تو میرے نزدیک وہ نیٹشے ہے۔ اتنا بلند پایہ فلاسفر شاید ہی ہمیں کہیں ملے! لیکن جسے اقبالؒ ''جانِ بے تابے'' کہتا ہے' وہ اس کے اندر کا مسلسل اضطراب ہے' بے تابی ہے' تڑپ ہے' خلش ہے' آگ لگی ہوئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آب و گل کے پیکر' یہ چلتے پھرتے انسان' ختم ہو جائیں' مٹ جائیں اور کوئی ایسا انسان پیدا ہو جائے جسے فوق البشر [1] کہا جا سکے۔ یہ تھی اس کی تڑپ۔

فوق البشر کو وہ خدا دیکھنا چاہتا تھا لیکن عیسائیت میں انسانِ کامل کا جو تصور اس کے سامنے پیش کیا گیا' وہ سراپا عاجزی' کمزوری' ضعف' نامرادی اور مایوسی کا تھا۔ اس حقیقت کا اس پر جو ردِعمل ہوا' اس کے تحت وہ فوق البشر' شیر یا عقاب' بننے کے برعکس درندگی اور قوتِ قاہری کا مالک بنا۔ اب اس میں کہیں جمالیّت نہیں' کہیں لوچ نہیں' کہیں لچک نہیں۔ وہ اس قسم کا مافوق البشر دیکھنا چاہتا ہے جو لامحدود جلالی قوتوں کا پیکر ہو۔ اگرچہ وہ خدا کا منکر ہے لیکن خدا کی شانِ جبروت کو اپنے مافوق البشر میں دیکھنا چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کو جس طرح نیٹشے نے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ اس سے پیشتر اگرچہ یورپ میں خالص ETHICS (اخلاقیات) کے کئی فلاسفر گزرے ہیں جنہوں نے اس عقیدے پر ضرب لگائی'

[1] نیٹشے نے فوق البشر کے لیے UBERMENSCH (ابو برمینش) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

لیکن نیٹشے (NIETZSCHE) نے جس طرح اسے تباہ کیا ہے اس کے بعد عیسائیت پنپ ہی نہیں سکی۔

عیسائیت پر نیٹشے کی لگائی جانے والی ایک لازوال ضرب کا ذکر

میں کہتا ہوں کہ انسان عیسائیت کے متعلق کچھ نہ پڑھے' صرف نیٹشے کی ایک کتاب پڑھ لے' اس کے بعد بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ زندگی کی نفی کے بجائے اس کے اثبات پر کیوں یقین رکھتا تھا یعنی وہ PHILOLOGY (علم لسان) کی بنا پر اسے نہیں پرکھتا بلکہ وہ خالص ETHICS (اخلاقیات) کی بنا پہ کہتا ہے کہ عیسائیت دنیا میں فقط اس شرط پر باقی رہ سکتی ہے کہ اسے فلسفہ بقا کے تابع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے (THE ANTICHRIST 1888) نامی کتاب کے پہلے صفحے پر اپنے دیباچہ میں عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''تمہارا مسیح (CHRIST) یہودیوں کے ہاتھ سے بچ کر آسمان پہ چڑھ گیا' وہ نیٹشے کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا''۔ نیٹشے پھر عیسائی اخلاقیات سے اتنا برگشتہ ہے کہ اس کے خلاف اس کی کتاب "BEYOND GOOD & EVIL (1886)" موجود ہے۔ اس کتاب میں عجیب تصور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ GOOD & EVIL (خیر و شر) سب بکھیڑے اور بکواس ہیں' جس میں تم الجھے ہوئے ہو۔ عیسائی جسے نیکی سمجھتے ہیں اُسے یہ انسانیت کی تباہی قرار دیتا ہے۔ EVIL (شر) کو انہوں نے ORIGINAL SIN (اولین گناہ) قرار دے دیا ہے' بعد ازاں مسیح نے خود کو مصلوب کروا کر جو کفارہ ادا کیا' اس پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ایمان لانے کا یہ طریق غلط ہے کیونکہ جو خود کو نہ بچا سکا وہ تمہیں کیا بچائے گا؟ ذرا سوچو تو سہی۔ اس لیے BEYOND GOOD & EVIL (ماورائے خیر و شر) میں وہ ایک ایسی کائنات تخلیق کرتا ہے جہاں موجودہ GOOD & EVIL (خیر و شر) کے معیار کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور وہ چاہتا بھی یہی ہے کہ یہ معیار نہ رہیں۔ یہاں اس کی ایک الجھن ہے مگر تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں!

نیٹشے کی قوت ارادی اور حقیقت کے تصورات کی نوعیت

یہاں پہنچ کر اسے صحیح معیار نہیں ملتے چنانچہ وہ خالص قوت کو معیار قرار دیتا ہے۔ اب اس کے پاس WILL & POWER (عزم بالجزم اور استطاعت) دو چیزیں ہیں۔ شوپنہار (SCHOPENHAUER: 1788-1860) کا فلسفہ WILL (قوتِ ارادی) ہے لیکن شوپنہار کی قوتِ ارادی PURPOSELESS (بلا مقصد) ہے۔ اس کے برعکس نیٹشے کی قوتِ ارادی PURPOSEFUL (بامقصد) ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ (مقصد) کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ قوتِ ارادی موت کے بعد پھر ایک نئی زندگی CREATE (تخلیق) کرتی ہے جو پہلی زندگی سے بہتر ہوتی ہے' ایک نسل کو تباہ کر کے دوسری نسل کو وجود میں لاتی ہے جو پہلے سے زیادہ POWERFUL (صاحبِ قوت و استطاعت) ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کا فلسفہ ETERNAL RECURRENCE (تکرارِ ابدی) کا فلسفہ ہے جس نے افلاطون اور عیسائیت کے نظریات کو رد کر دیا ہے۔ یہ ہے نیٹشے کا فلسفہ۔ یہ ایک دوری انقلاب TRANSVALUATION OF

VALUES ہے' جو بار بار ہوتا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس طرح آہستہ آہستہ وہ فوق البشر (SUPERMAN) وجود میں آجائے گا یعنی کائنات کا سارا مقصد' مٹی کے ان تمام جسموں کو عبور کر کے ان میں سے ایک فوق البشر پیدا کرنا ہے۔ اور اس فوق البشر کے لیے پہلے وہ SUPER HUMAN RACE (فوق البشر نسل) پیدا کرتا ہے۔ نازیوں نے اس فلسفے کو معیار بنا کر یہ وجہ جواز تلاش کی کہ میری نسل سے ایک بہتر نسل پیدا ہو رہی ہے' آخر میں اس نسل سے ایک سُپر مین پیدا ہوگا۔ یہی کائنات کا PURPOSE (مقصد) ہے۔ وہ سُپر مین انسانِ کامل ہوگا' جو انتہائی جبروت اور جلال کی قوتوں کا مظہر ہوگا' اس میں کوئی رحم (COMPASSION)' کسی قسم کا لوچ' ذرا سی نرمی بھی نہیں ہوگی' نیٹشے' رحم اور نرمی کو بالکل نہیں مانتا حالانکہ وہ آرٹ کا بڑا قائل ہے' دل دادہ ہے' خاص طور پر موسیقی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ موسیقی کے بغیر زندگی ایک غلطی ہے' وہ ایسی زندگی کو رد کرتا تھا۔ آرٹ میں بھی وہ صرف قوت کو مانتا ہے۔ آرٹ اگر جمالیات کو DEPICT (ظاہر) کرتا ہے تو اس کے نزدیک وہ آرٹ نہیں رہتا۔ وہ ہر جگہ قوت کو دیکھنے کا متمنی ہے۔ اس کا یہ پہلو مسیحیت کے فلسفہ (ETHICS) اخلاقیات کے خلاف جاتا ہے۔ (ان تصورات کے لیے نیٹشے کی ان کتب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے :

(1) THE BIRTH OF TRAGEDY OUT OF THE SPIRIT OF MUSIC (1872) ; (2) THE GAY SCIENCE (1882) ; (3) THUS SPOKE ZARATHUSTRA (1883-1885) ; (4) BEYOND GOOD AND EVIL (1886) ; (5) ON THE GENEALOGY OF MORALITY (1887) ; (6) THE ANTICHRIST (1888) ; (7) ECCE HOMO (1888) ; (8) THE WILL TO POWER).

نیٹشے کے تصور اور اقبالؒ کے تصور میں فرق

نیٹشے کا جبروت وجلال کا پہلو اور مسیحیت سے اختلاف کی وجوہات' اقبالؒ کو بے حد بھائیں۔ نیٹشے خدا کا منکر ہے لیکن خدا کی صفات اس انسان میں دیکھنا چاہتا ہے جو فوق البشر ہے۔ اس اعتبار سے اقبالؒ نے اس کو منصور (حلاّج) کا درجہ دیا ہے کہ منصور ''انا الحق'' کہہ کر اپنے آپ کو خدا بناتا تھا جبکہ نی ٹ ش ے فوق البشر (UBERMENSCH) کو خدائی صفات کا حامل دیکھنا چاہتا ہے۔ اقبالؒ نیٹشے کے تصور فوق البشر کی وجہ سے اسے پسند کرتا تھا۔

نیٹشے کی کرب بھری داستانِ حیات میں آخری خواہش

نیٹشے 15۔ اکتوبر 1844ء میں شہر لپزگ (LEIPZIG) کے قریب راکن (ROCKEN) نامی قصبہ میں پیدا ہوا۔ PHILOLOGY (علمِ لسان (اس کا) SUBJECT مضمون) تھا لیکن وہ آل راونڈر تھا۔ کچھ عرصہ یعنی (1869 تا 1879ء) اس نے یونیورسٹی آف بے سل (BASEL) میں پروفیسری کی' فالج گرنے کی وجہ سے بعد ازاں اس پر جنونی کیفیت طاری ہوئی' زندگی کا بیشتر حصہ اس نے ٹی بی کے مریض کی حیثیت سے گزارا' لوگوں کے نزدیک کچھ دماغ میں بھی خلل تھا' وہ ایسا بے بس تھا جس کا کوئی سہارا نہ ہو' باپ کارل لڈوِگ نیٹ شے اس کے بچپن ہی 1849ء میں مر گیا تھا'

ایک بہن الیز بتھ فارسٹر نیٹشے تھی جو اس کی تیمارداری کرتی تھی۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ یہ کن کن بیماریوں کا مریض تھا تو اپنی بہن کے نام تحریر کردہ خطوط اہمیت کے حامل ہیں۔ اپنی بہن (ELISABETH FORSTER) کے نام خط لکھتا ہے کہ ''یہ طبیب' کیا جانیں کہ مجھے کیا مرض ہے۔ اگر تم کہیں سے دو آدمی ایسے پیدا کر دو جو میری بات کو سمجھ جائیں تو تمہارا بھائی آج اچھا ہو جائے گا''۔ حقیقت میں وہ اس بات پر دل برداشتہ تھا کہ وہ اپنے دور سے بہت آگے ہے۔ اُس دور میں تو اس کو کوئی نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ چیخ کر کہا کرتا کہ میرا علاج چھوڑ دو' ان سب کو جواب دے دو' نہ یہ سمجھ سکتے ہیں' نہ میں ان سے اچھا ہو سکتا ہوں۔ کہیں سے چند ایسے لوگ پیدا کر دو جو میری بات کو سمجھیں۔ میں بس اتنا ہی چاہتا ہوں' پھر تم دیکھو کہ میں کیسے اچھا ہوتا ہوں۔ اپنے متعلق اس کو اتنا یقین اور SELF CONFIDENCE (اعتمادِ خویش) تھا کہ آخری وقتوں میں اس کی بہن نے کہا کہ اب تو یہ نظر آتا ہے کہ فطرت تمہاری زندگی جلد ختم کر رہی ہے۔ وہ اس زمانے میں اپنی آخری کتاب THUS SPOKE ZARATHUSTRA (1883-1885) لکھ رہا تھا' جو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی وہ بہن کو لکھتا ہے کہ تم نے مجھے یہ کیا کہہ دیا ہے' فطرت تمہاری طرح بے وقوف عورت نہیں ہے کہ وہ اتنا بھی نہ سمجھ پائے کہ اگر میں یہ کام ناتمام چھوڑ گیا تو کوئی دوسرا نہیں کر سکے گا۔ اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ جب تک میں اپنا یہ کام مکمل نہ کر لوں یہاں سے چلا جاؤں۔

نیٹشے کی زبان اور حقیقت جو اقبالؒ کو بھا گئی

یہ عجیب شخص تھا۔ اس نے جرمن زبان میں لکھا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے ORIGINAL WORKS (اصلی کتب و مواد) نہیں پڑھ سکا' اگرچہ بڑا جی چاہتا تھا۔ اس نے اپنی الگ زبان وضع کی تھی۔ جس کے متعلق دیباچے میں رقمطراز ہے کہ وہ عام زبان میں گفتگو نہیں کر سکتا' یہ عام زبان اس کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی تھی' اس کی زبان الگ ہونی چاہیے' اس لیے میں الگ زبان وضع کرتا ہوں۔ وہ شخص حقیقت کے اس قدر قریب آ کر یہ سب کچھ کہتا ہے۔ بہرحال میں نے تو ترجمہ ہی پڑھا ہے۔ اس کی کتب کا ترجمہ بھی بڑا عجیب ہوا ہے' وہ کتاب (جو اس نے آخری ایام میں لکھی اور اس کی وفات کے بعد چھپی اس کا) تو پوچھو ہی نہیں (اس کتاب کا نام THE WILL TO POWER ہے۔ اسے اس کی بہن الیز بتھ فارسٹر نے EDIT یعنی اشاعت کے لیے تیار کیا تھا)۔ اس کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اس شخص کا مقام نہایت معتبر اور بلند تھا۔ نیٹشے کی یہ خاصیتیں تھیں جو اقبالؒ کو بھا گئی تھیں۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک نیٹشے کا مقام نیز شوپنہار کے فلسفۂ زندگی کی وضاحت

بات نیٹشے (1844-1900) سے چلی ہے۔ میں یہ عرض کر دوں کہ ''پیامِ مشرق'' میں اقبالؒ نے نیٹشے کے متعلق تین نظمیں لکھی ہیں' دو چھوٹی چھوٹی سی ہیں' اور ایک ذرا بڑی سی ❶ ہے۔ اس بڑی نظم میں شوپنہار کا فلسفہ ہے' نیٹش سے پہلے شوپنہار (1788-1860ء) ہی کا شاگرد تھا یعنی اس کی فلاسفی کا متبع تھا۔ شوپنہار کا فلسفہ PASSIMISM (یاسیّت)'

❶ ان دو چھوٹی چھوٹی سی نظموں کا نام ''نیٹشا'' ہے اور جو ذرا بڑی ہے اس کا نام ''شوپن ہار و نیٹشا'' ہے۔

انتہائی مایوسی کا فلسفہ ہے۔ یہ گوتم بدھ (483-563ق م) کا FOLLOWER (پیروکار) ہے، جس کی فلاسفی کو شوپنہار ILLUSTRATE (واضح) کرتا ہے۔ وہی نروانا اس کا ماحصل ہے، وہی DARKNESS (ظلمت) ہے، وہی PASSIMISM (یاسیّت) ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی انتہا ہے۔ اقبالؒ نے ''شوپنہار و نیٹشا'' لکھی۔ یہ نظم ''پیامِ مشرق''[1] (1948ء) میں 234 صفحے پر ہے۔ خوبصورت چیز ہے کیسے تقابل کر کے نیٹشے، خود شوپنہار کو سمجھاتا تھا کہ کہاں غلطی کرتے ہو۔ اس میں سے شوپنہار کا فلسفہ میں ہی پڑھ دیتا ہوں۔

مرغے ز آشیانہ بسیرِ چمن پرید
خارے ز شاخِ گل بہ تنِ نازکش خلید
بد گفت فطرتِ چمنِ روزگار را
از دردِ خویش و ہم ز غمِ دیگراں تپید

(ایک پرندہ اپنے گھونسلے سے اڑ کر باغ کی سیر کو گیا۔ اس کے نازک جسم میں پھول کی شاخ سے ایک کانٹا چبھا۔ اس نے زمانے کے چمن کی فطرت کو برا کہا کہ یہ دکھ دینے والی ہے اور اپنی تکلیف اور اپنی طرح کے دوسرے لوگوں کے غم میں وہ تڑپا (۔ اصل میں یہ سارا PERSONAL (ذاتی) سانحہ ہوتا ہے جیسے (گوتم) بدھ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ سب PERSONAL (ذاتی) چیز ہے۔ شوپنہار کا دماغ بہت تیز ہے، اُس نے اِس کو فلسفہ بنا دیا اور کروڑہا کروڑ انسانوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ (اقبالؒ نے نیٹشے کے بتخانے کو حرم میں تبدیل کر دیا یعنی اس کے قوت (POWER) کے فلسفے کو، جلال کے فلسفے کو، جمال سے امتزاج دے دیا ہے)۔ کہتا ہے کہ

داغے زخونِ بیگنہے لالہ را شمرد

جو لالہ را شمرد ہے، یہ بے گناہوں کا خون ہے۔ (اس نے لالہ کے پھول کو کسی بے گناہ کے خون کا ایک داغ کہا ہے)۔

اندر طلسمِ غنچہ فریبِ بہار دید
گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج
صبح کجا کہ چرخ در و شامہانہ چید

(غنچہ کے طلسم میں بہار کا فریب دیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ اس دنیا کے گھر میں جس کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہے، ایسی صبح کہاں ہے کہ جس سے آسمان نے شامیں نہ چنی ہوں۔ مراد یہ ہے کہ دنیا رہنے کا مقام نہیں۔ اس کی ہر خوشی میں غم چھپا ہے) اس کی صبح ہوتی ہی نہیں ہے۔

نالید تا بحوصلۂ آں نوا طراز
خوں گشت نغمہ و ز دو چشمش فرو چکید

---

[1] اقبالؒ: پیامِ مشرق، احسن برادرز، چوک انارکلی، لاہور (طبع ہفتم)، 1948ء۔

سوزِ فغانِ او بدلِ ہدہدے گرفت

(وہ بہت رویا تا آنکہ اس نوا پیدا کرنے والے پرندے کے حوصلے کے مطابق اس کا نغمہ خون بن گیا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑا۔ اس پرندے کی فریاد کا سوز ایک ہدہد نام کے پرندے کے دل پر اثر کر گیا)۔ اب اس ہُدہُد نے کیا کیا؟

بانوکِ خویش خار ز اندامِ او کشید
گفت تش کہ سودِ خویش ز جیبِ زیاں برآر

(اس نے اپنی چونچ سے اس پرندے کے جسم سے کانٹا نکال دیا۔ ہدہد نے غمزدہ پرندے کو کہا کہ نقصان کی جیب سے اپنا فائدہ نکال)۔ یہ ہے اس کا فلسفہ۔ حالات نامساعد آتے رہیں' ہر نامساعد حالت سے' جو ایک نہ ایک سود ہے' وہ اس میں سے نکل سکتا ہے۔

گل از شگافِ سینہ درِ ناب آفرید

(تُو دیکھ رہا ہے کہ گلاب کے پھول نے اپنے پھٹے ہوئے سینے سے خاص سونا پیدا کر لیا ہے)۔ اب کرنا یہ چاہیے کہ

درماں ز درد ساز اگر خستہ تن شوی
خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

(اگر تیرا جسم خستہ ہو گیا ہے تو فکر نہ کر۔ اس درد سے ہی علاج پیدا کر' کانٹوں کا عادی بن' تا کہ تُو سرتا پا باغ بن جائے)۔ اب آپ نے سمجھ لیا کہ یہ نیٹ شے (1844-1900) اقبالؒ (1877-1938) کو کیوں پسند تھا۔ ''پیامِ مشرق'' میں دوسری غزل (ص۔238) بھی اس نے ''نیٹشا'' پر لکھی۔ اس کے دو شعر ہیں:

از سستیٔ عناصرِ انساں دلش تپید
فکرِ حکیم پیکرِ محکم تر آفرید

(اس یعنی نیٹشے کا دل انسان کے عناصر کی سُستی پر تڑپ اٹھا۔ انسان کی کمزوری پر اس حکیم کے دل میں انسان کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی)۔ اس نے کہا کہ یہ موجودہ پیکر ان کے متحمل نہیں ہو سکتے' ان سے زیادہ محکم پیکر ہونا چاہیے۔

افگند در فرنگ صد آشوبِ تازۂ
دیوانۂ بکارگہِ شیشہ گر رسید!

آہا ہا ہا! آہا ہا ہا! صاحب یہ تو پڑھنے والا ہے۔ اقبالؒ نے ان کے سامنے تمام فلسفے' تاریخ' آرٹ' مذہب اور ساری سیاست کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے ہیں' وہ یوں بکھرے پڑے ہیں گویا ''دیوانۂ بکارگہ شیشہ گر رسید'' (کوئی دیوانہ شیشہ بنانے کے کارخانہ میں گھس گیا ہے جس کے پاؤں میں وہاں کوئی شے بھی سلامت نہیں رہ سکتی)۔ اس قدر سخت CRITIC (نقاد) ہے! یورپ کی کسی چیز کو نہیں چھوڑا' ہر چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ ہے جی!

دیوانۂ بکارگہِ شیشہ گر رسید!

''پیامِ مشرق'' میں اس کی اگلی نظم بہ عنوان ''نیٹشا'' ہے اس کے تین چار اشعار ہیں۔ کہتا ہے کہ

گر نوا خواہی ز پیشِ او گریز

(اے مخاطب! اگر تُو نیٹشے کی شاعری سے کوئی نوا چاہتا ہے تو اس خیال سے بازرہ' اس کے سامنے سے بھاگ جا)' اس قسم کی کوئی چیز وہاں سے نہیں ملی تھی۔

در نئے کلکش غریوِ تندر است

(کیونکہ اس کے قلم کی بنسری میں' بجلی کے کڑکے (THUNDER) کی آواز ہے۔ اس نے انقلاب انگیز باتیں کی ہیں)' اس کے ہاں بجلیوں کی کڑک ہے' گرج ہے۔ اگر موسیقی اور نوا کے' سُر چاہتے ہو تو یہ نہیں ملیں گے۔

نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد
دستش از خونِ چلیپا احمراست
آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت

(اس کا نشتر مغرب کے دل میں اتر گیا۔ اس کا ہاتھ گرجا یا صلیب کے خون سے سرخ ہے)' یہ خدا کا منکر ہو گیا ہے اسی لیے اقبالؒ اس کو بت خانہ کہے گا لیکن دیکھیے اس سے محبت کتنی ہے!

آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت

(نیٹشے وہ ہے جس نے کعبہ کی بنیادوں پر بت خانہ بنایا ہے) اور یہ ہے اس کا شعر کہ

قلبِ او مومن دماغش کافر است ❶

(اس کا دل تو مسلمان ہے لیکن اس کا دماغ کافر ہے)۔ اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ

خویش را در نارِ آں نمرود سوز
زانکہ بستانِ خلیلؑ از آذر ❷ است

اس کے تعمیر کردہ بت خانے کی آگ میں اپنے آپ کو جلا' یوں اس کو حرم میں تبدیل کر کے خلیل بن جا۔ یہ ہے کرنے کا کام۔

اقبالؒ نے نیٹشے کے قدرت اور جبروت کے فلسفے کو لے کر اس میں بس جمال کا امتزاج کیا ہے اور یوں اس کے بت خانے کو حرم میں تبدیل کر دیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس آگ کے شعلوں کو گلزارِ خلیل بنا دے۔ چنانچہ اقبالؒ نے اس طریقے سے اُسے بدل ڈالا۔ یہ تھا اقبالؒ اور نیٹشے کا تعلق۔

---

❶ اقبالؒ نے ''پیامِ مشرق'' میں اس پہ (فٹ) نوٹ لکھا ہے کہ ''نیٹشا نے مسیحی فلسفۂ اخلاق پر زبردست حملہ کیا ہے۔ اس کا دماغ اس لیے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے گو بعض اخلاقی نتائج میں اُس کے افکار مذہب اسلام کے بہت قریب ہیں۔ ''قلبِ او مومن دماغش کافر است''۔ نبی کریم ﷺ نے اس قسم کا جملہ اُمیہ ابن الصلت (عرب شاعر) کی نسبت کہا تھا۔ آمن لسانہ و کفر قبلہ۔ ❷ فٹ نوٹ میں اقبالؒ نے ''آذر بمعنی آتش'' لکھا ہے۔

ایم۔ایس۔ناز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ سے علامہ اقبالؒ کے متعلق خصوصی انٹرویو

س: علامہ اقبال سے آپ کی پہلی اور آخری ملاقات کب اور کہاں ہوئی؟ صحبتیں جو گزر گئیں، ان کی یاد تازہ کیجئے۔

ج: پہلی ملاقات کے متعلق تو متعین طور پر نہیں کہہ سکتا کہ کب اور کہاں ہوئی؟ اس لئے کہ وہ تو پچاس سال سے بھی زائد کا عرصہ ہے، آخری ملاقات البتہ ان سے جنوری 1938ء میں ہوئی، جب یوم اقبال، کی تقریب کے سلسلے میں دہلی سے ہمارا قافلہ لاہور آیا اور ان سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات ہوئی۔ اس زمانہ میں یوں کہئے کہ وہ گویا بستر مرگ پر ہی تھے۔ بینائی بھی بہت کمزور تھی، بولنے میں ان کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے خاصا وقت ہمیں دیا۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ کچھ میری رعایت برتی، اس لئے کہ ہمارے صاحب کارواں علامہ اسلم جیراجپوری علیہ الرحمہ تھے، ان کے اکرام و احسان کی بدولت ہمیں بھی یہ سعادت نصیب ہوگئی۔ خاصا وقت اس میں صرف ہوا اور یہ آخری ملاقات ہے جو حضرت علامہ علیہ الرحمہ سے ہوئی۔ باقی رہے تاثرات، تو محترم سید نذیر نیازی صاحب نے اپنی کتاب ''اقبال کے حضور میں'' اس دن کی صحبت کا تفصیلی نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم ان سے کس قسم کے سوال.....؟

سوال تو میں نہیں کہہ سکتا، میری حیثیت تو ان کے سامنے ایک ادنیٰ سے متعلم کی رہی، ہم تو استفادہ ہی کرتے تھے، جرأت کر لیتے تھے کچھ پوچھنے کی، اگرچہ وہ بہت جرأت دلایا کرتے تھے، حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، ان کا تو انداز ہی ایسا تھا، وہ کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی بڑی شخصیت ہیں اور ان کے سامنے کچھ چھوٹے لوگ بیٹھے ہیں، وہ تو سب کو برابر کی حیثیت دیتے تھے اور بعض اوقات تو انکسار اور بھی بڑھ جاتا تھا، جو ہم لوگوں کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوتا تھا۔

س: پرویز صاحب! اقبال کے حضور میں اس وقت کوئی ایسا موضوع بھی زیر بحث آیا ہو، جس کا ذکر نذیر نیازی صاحب نے اپنی کتاب میں نہ کیا ہو؟

ج: میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ سوال اس میں آ گیا ہے یا نہیں، لیکن دو باتیں بڑی اہم ہیں، حضرت علامہ نے 'جاوید نامہ' میں مختلف ارواح یا مختلف ہستیوں سے عالم بالا میں ملاقات کی جو روئداد بیان کی ہے، میرے نزدیک حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ اور ان کا معرکہ بالاکوٹ، ہمارے اس آخری دور کی اسلامی تاریخ میں بڑا پر عظمت ہے، سو میں نے اس موقعہ پر حضرت علامہ سے عرض کیا کہ جی چاہتا تھا کہ آپ سر سید اور سید احمد شہید، دونوں کی ارواح کو آمنے سامنے لا کر ذرا اس کا تقابل

بتاتے۔ اس پر حضرت علامہ نے فرمایا ''یہ اور اس قسم کے اور کئی سوال تھے جو بعد میں میرے ذہن میں آئے اور ایسا ہو جاتا ہے' اب جب بھی مجھے فرصت ملی میں ان چیزوں کو ضرور سامنے لاؤں گا''۔

اور ایک سوال' میں نے یہ عرض کیا کہ یہ جو قیامت کا واقعہ یا حقیقت ہے وہ ہمارے ذہن میں تو ہے کہ ہم انسان ایک دن اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے' لیکن قرآن میں تو ہے کہ تیرا خدا اور اس کے ملائکہ یہاں آئیں گے تو کیا یہ سارا ماجرا یہاں ہی ہوگا؟

انہوں نے کہا کہ حیات بعد ممات اور وہاں کے جتنے بھی نظریات ہیں' ان سب کے متعلق میرے ذہن میں ہے اور میں قرآن کریم کی تفسیر کی (introduction) میں اس سوال کو موضوع سخن بناؤں گا۔

س: حضرت علامہ کی صحبت میں جوان کے شیدائی بیٹھتے تھے' وہ کس قسم کے سوال کرتے تھے؟

ج: (مسکراتے ہوئے) یہ شیدائیوں کی بھی مختلف نوعیتیں اور قسمیں ہیں' آپ کا استفسار ہے کہ ان کے ہاں کس قسم کے لوگ بیٹھتے تھے؟ ان کی کیفیت تو بڑی دلچسپ ہے۔ حضرت علامہ چونکہ ڈاکٹر مشہور تھے۔ تو ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ میرے پیٹ کا درد بڑا پرانا ہے' کسی حکیم یا ڈاکٹر سے فائدہ نہیں ہوا' آپ مجھے کوئی اچھا سا نسخہ لکھ دیجئے۔

(قہقہہ لگاتے ہوئے) تو صاحب حضرت علامہ تو یہ بھی بتا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ موچی دروازے کا ایک جفت ساز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ہمارا کاروبار پہلے خوب چلتا تھا' مگر جب سے انگریزی جوتے مارکیٹ میں آ گئے ہیں' ہمارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے' کسی نے ہمیں بتایا کہ علامہ صاحب بڑے اچھے مشورے دیتے ہیں' سو میں آپ سے مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

غرض کہ یہاں سے لے کر یورپ کے بڑے بڑے بلند پایہ مفکروں تک حضرت علامہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی ذہنی سطح' افتادِ طبیعت اور مزاج کے مطابق سوال کرتا تھا اور اس کو اس کے مطابق ہی جواب ملتا تھا۔ ادیب' شعراء' فلاسفر اور خود مولوی صاحبان (مسکراتے ہوئے) پیر پرست لوگ بھی۔ کئی ایسے بھی تھے جو آ کر کہا کرتے تھے کہ حضرت کسی طرح سے آپ ڈاڑھی رکھ لیں' تو پھر دیکھیں کہ دنیا کیسے آپ کی گرویدہ ہو جاتی ہے۔ شیدائیوں اور سوالات کی تو یہ کیفیت ان کی محفل میں ہوتی تھی۔

س: بعض لوگ حضرت علامہ کو ڈاڑھی رکھنے کا مشورہ دیتے تھے' لیکن حضرت علامہ نے ایسا نہیں کیا!

ج: علامہ اقبال ان سے کہا کرتے تھے کہ بھئی اس وقت تک عام تاثر یہ ہے کہ دین کے متعلق وہ ہی کچھ کہہ سکتا ہے یا جان سکتا ہے' جس کی ایک خاص شبیہہ ہو' خاص وضع قطع ہو' اور یہ ہمارا جو نیا طبقہ' نئی نسل یا نوجوان طالب علم ہیں ان کے دلوں میں یہ (Complex) سا پیدا ہو گیا ہے' میں اس (Complex) کو دور کرنا چاہتا ہوں' کہ نہیں' تم بھی دین کو سمجھ سکتے ہو' تمہیں بھی دین کے متعلق معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور اس کے لئے میں اپنے آپ کو بطور ایک مثال کے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھئے میری وضع قطع ایسی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود تم جانتے ہو کہ مجھے دین کے متعلق بہت کچھ معلوم ہے' یہ دنیا کہتی ہے

اور علماء کرام بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں' پس اس (Complex) کو نکال دو کہ جب تک تمہاری ایک خاص وضع قطع نہ ہو گی تم دین کا علم حاصل نہیں کر سکو گے یا دین کے متعلق کچھ نہیں جان سکو گے۔

س: اقبال کے افکار کی وسعت' ان کی بلندی اور ان کی گہرائی بے پایاں ہے۔ آپ نے علامہ کے افکار کے حوالے سے ان کی شخصیت کے کس پہلو کو زیادہ نمایاں طور پر محسوس کیا؟

ج: میں قرآن کا طالب علم ہوں اور قرآن ہی کی کشش سے میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے قرآن کریم کے متعلق جو کچھ کہا اس کا میرے دل پہ بڑا اثر تھا اور اثر یہ ہے کہ قرآن کریم کا سمجھنا میں نے حضرت علامہ سے سیکھا تھا۔ ان کی شخصیت کا یہی پہلو تھا جو مجھے ان کے قریب لے آیا۔ انہوں نے اپنی پہلی تصنیف ''اسرار خودی'' یا ''رموز بیخودی'' کے آخر میں کہا ہے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے' اپنی بصیرت کے مطابق قرآن ہی سے سمجھا ہے۔ قرآن کریم کی عظمت اور اس کا احترام میرے دل میں بھی چونکہ بدرجہ نہایت تھا' اس لئے میں جو ان کے قریب ہوا' تو اس کی یہی وجہ تھی۔ باقی چیزیں وہ قرآن کے تابع رکھتے تھے مثلاً دنیا بھر کے علوم پر ان کی نگاہ تھی' لیکن کسی علم یا مذہب کے متعلق جو بحث بھی وہ چھیڑتے' آخر میں وہ قرآن کی طرف آ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن اس کے متعلق یوں کہتا ہے۔ میرے نزدیک ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں اور جاذب پہلو ان کی یہ بصیرت قرآنی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کی شخصیت کو سمٹایا جائے' تو ان کے افکار کی وسعت' ان کی بلندی اور ان کی گہرائی' سب کچھ اس میں سمٹ کر آ جاتا ہے۔

س: علامہ ایک مستقل نظام فکر رکھنے والے معاشرہ کی تشکیل چاہتے تھے' ان کے نزدیک اس مثالی معاشرے کے خدوخال کیا تھے؟

ج: ہاں' یہ وہ سوال ہے جس میں حضرت علامہ کا سارا پیغام سمٹ کر آ جاتا ہے۔ درحقیقت قرآن سے پہلے پوری دنیا میں مذہب کے متعلق تاثر' خیال اور عقیدہ یہ تھا کہ یہ خدا اور بندے کے درمیان ایک نجی تعلق (Private Affair) کا نام ہے جو پوجا پاٹھ' پرستش' بندگی اور عبادت کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے یا مراقبوں اور ریاضتوں کے توسل سے' دنیاوی معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں' مگر قرآن حکیم نے آ کر اس کی تردید کی اور بتایا کہ نہیں' ایسا ہرگز نہیں' ضمناً مذہب کا لفظ تو قرآن میں ہے ہی نہیں' اس میں دین کا لفظ ہے' ہماری یہ بدبختی ہے کہ قرآن حکیم یا عربی زبان کے یہ جو الفاظ ہیں' ان کے مترادفات دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں ہیں' جب ہم ان کا ترجمہ کرتے ہیں تو ان زبانوں میں جو (Concepts) یا تصورات ہوتے ہیں وہیں سے ہم یہ الفاظ لیتے ہیں' اس لئے ہم نے دین کا مترادف مذہب (Religion) لیا۔ جو صحیح نہیں ہے۔ قرآن یا اسلام درحقیقت مذہب کے خلاف ایک چیلنج ہے۔ حضرت علامہ بھی جو کتاب لکھنا چاہتے تھے اور جس کے لئے وہ (Notes) چھوڑ گئے' انہوں نے ایک فقرے میں یہ کہا ہے کہ:

''اسلام (Religion) کے خلاف (Protest) ہے''

صد حیف کہ اقبال وہ کتاب لکھ نہ سکے۔ میں یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا کہ میں نے ان کے موضوع کو اپنایا' بہرکیف

یہ ان ہی کا فیضان ہے کہ میں نے Islam, A Challenge to Religion لکھی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام مذہب کے خلاف ایک چیلنج تھا۔ مذہب کا جو تصور (Concept) رہا ہے کہ دنیوی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں، قرآن نے اس کو غلط ثابت کیا ہے۔ بنابریں وحی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیوی امور کو ابدی اقدار کے تابع رکھ کر حل کرے۔ حضرت علامہ نے اسے ایک مصرعہ میں یوں سمو دیا ہے کہ ؎

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

دین کی چابی سے دنیا کے ہر دروازے کو کھولا جا سکتا ہے اور یہی ہے دین اسلام کا کام، قرآن نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ اب جہاں تک دنیوی امور کا تعلق ہے، ان میں مملکت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دنیوی امور دراصل مملکت ہی کے ذریعے طے پاتے ہیں، گویا اسلام وہ ہے جس میں مملکت اقدار خداوندی کے تابع رہ کر دنیوی معاملات کا حل پیش کرتی ہے اس میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں رہتے بلکہ ایک ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ اس بارے میں اتنے محتاط تھے کہ انہوں نے لکھا ہے:

''میں تو یہ کہوں گا اور تمہیں یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ: یہ ایک حقیقت کے دو رخ ہیں''۔

مقصود حضرت علامہ کے کہنے کا یہ تھا کہ دو رخ ہونے میں بھی کچھ ثنویت (Dualism) کا تاثر آ جاتا ہے اس لئے کہ ؎

گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں عرض کروں گا کہ جب اسلام میں ملوکیت در آئی تو اس نے آ کر پھر یہ ثنویت پیدا کر دی۔ مملکت، سلطنت اور دنیا کے معاملات حکومت نے اپنے پاس رکھ کر ایک الگ دائرہ قائم کر لیا۔ مذہب کے معاملات انہوں نے علماء کو دے دیئے، اس طرح سے دو علیحدہ علیحدہ مملکتیں قائم ہو گئیں، جنہوں نے باہم معاہدہ کر لیا کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اس طریق کار سے وہ تصور ابھر آیا، جو اسلام سے پہلے رائج تھا اور جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ ہمارے ہاں ہزار برس سے یہی تصور چلا آ رہا تھا، ثنویت چونکہ حکومت اور مذہبی پیشوائیت دونوں کے لئے مفید تھی، اس میں دونوں کو الگ الگ اقتدار کے دوائر حاصل تھے، اس لئے حکومت نے تو اس کو مستحکم سے مستحکم تر کرنا ہی تھا، مذہب پرست طبقے نے بھی ہمارے ہاں ان گروہوں کو اور زیادہ مضبوط کیا، چنانچہ کیفیت یہ ہو گئی کہ اذہان نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ مملکت اور مذہب یکجا ہو سکتے ہیں، حضرت علامہ کا یہ زندہ جاوید کارنامہ تھا کہ انہوں نے فرمایا ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت علامہ واشگاف انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی رو سے اسلام ایک نظام زندگی ہے، ایک ضابطہ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو مستنیر کرتا ہے۔ عبادت، مناصب اور امور مملکت کو اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور یہ اسی صورت میں زندہ ہو سکتا ہے کہ اپنی ایک آزاد مملکت ہو۔

س: حضرت علامہؒ کے ذہن میں کس قسم کے مستقل نظام کا نقشہ تھا؟

ج: وہ ابدی حقائق، اصول یا اقدار، جو خدا کی طرف سے ودیعت کئے گئے، وہی مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ حضرت علامہ نے یہ تصور دیا تھا کہ آپ ان مستقل اقدار کو بطور حدود کے لیجئے، یہ غیر متبدل رہیں گی۔ ان حدود کے اندر رہ کر بھی زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزوی قوانین یا اس کے جزوی پروگرام کی جزئیات، ہر دور کی امت باہمی مشاورت سے خود متعین کرے گی، اس طرح سے یہ غیر متبدل اور تغیر کے امتزاج سے زمانے کے ساتھ ساتھ بلکہ زمانے کی امامت کرتا ہوا نظام آگے بڑھے گا۔ مستقل نظام کی یہ ایک شکل ان کے ذہن میں تھی۔ اقبال، قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب سمجھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ اس کتاب کو قیامت تک کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن قیامت تک امت کی ہر سیاست، مملکت اور امور دنیا کا ایک دستور اساسی رہے گا، اس اعتبار سے یہ ایک مستقل نظام ہوا، لیکن جو اس کی جزئیات ہیں، وہ زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی چلی جائیں گی۔ بالفاظ دیگر مستقل اور تغیر پذیر عناصر کے امتزاج سے یہ نظام بنتا ہے۔ مستقل نظام کا یہی نقشہ حضرت علامہ کے ذہن میں تھا۔ یہ تصور انہوں نے قرآن سے لیا اور یہی قابل عمل تصور تھا۔ اقبال چاہتے تھے کہ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک الگ مملکت ہو، جس میں اس نظام کو نافذ کریں اور اس کی جزئیات کو ممکن العمل بنائیں، اور اس کے جو انسانیت ساز نتائج ظہور پذیر ہوں، انہیں دیکھ کر پہلے مسلمان مملکتیں غالباً اور اس کے بعد دنیا کی دوسری اقوام بھی اس کی طرف لپک کر آ جائیں گی۔

س: اقبالؒ کے ذہن میں اسلامی نظام کا کیا تصور تھا؟

ج: اس زمانہ میں سب سے بڑا اعتراض یہ پیدا ہوا تھا کہ مسلمانوں میں اس قدر فرقے ہیں جن کی موجودگی میں ایک اسلامی مملکت، ایک اسلامی نظام یا ایک اسلامی دستور پر متفق ہونا کیسے ممکن ہے؟ علامہ اقبال اس کے جواب میں فرماتے تھے:

''ٹھیک ہے، فرقوں کی موجودگی میں جانتا ہوں، لیکن ان سب کے اندر قرآن ایک قدر مشترک ہے؟ اگر ان کی اساس قرآن ہوگی، تو اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا''۔

''فکری روابط کی بڑی اہمیت ہے، ان حضرات (ائمہ کرام، جنہوں نے فقہ مرتب کی) نے اپنے اپنے وقت میں بڑا کام کیا ہے۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں، لیکن اس تمام ہمہ گیری کے باوجود یہ قانونی ضوابط بال آخر انفرادی تعبیرات کا مجموعہ ہیں، اس لئے انہیں حتمی اور قطعی سمجھ لینا غلط ہے''۔

حضرت علامہؒ کہتے تھے کہ یہ پچھلے حالات تھے، مگر اب حالات بدل چکے ہیں اور دنیائے اسلام ان تمام نئی قوتوں سے دوچار اور متاثر ہے، جو زندگی کے مختلف گوشوں میں فکر انسانی کی نشوو ارتقاء سے وجود میں آ گئی ہیں، اس لئے مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس قدامت پرستانہ ذہنیت کو باقی رکھا جائے۔۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ:

''خود قرآن کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے، اس کی مقتضی ہے کہ۔۔۔''۔

یہ ہیں وہ الفاظ جو بڑی اہمیت رکھتے ہیں:

''ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے۔ وہ ایسا کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے

رہنمائی لے سکتی ہے‘ لیکن اسلاف کے فیصلے اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔‘‘

حضرت علامہ اقبالؒ کے چھٹے خطبے میں‘ جس کا ایک اقتباس میں نے سنایا ہے‘ اس کی تفصیل ملتی ہے۔ یہی وہ عملی طریق یا پروگرام ہے‘ جس کی رو سے وہ اس سرزمین کو اسلامی نظام کا گہوارہ دیکھنے کے متمنی تھے۔

س: اقبال نے جس جہانِ نو کا خواب دیکھا تھا۔ کیا ہم اس کے مطابق صحیح رخ پر آگے بڑھے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ج: پیش رفت تو درکنار‘ ہم بہت پیچھے چلے گئے ہیں جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ 1930ء میں جب حضرت علامہ نے یہ تصور پیش کیا تو کہیں سے کوئی آواز نہ اٹھی تھی۔ 1938ء سے 1940ء تک قائداعظم جب اس تصور کو لے کر آگے بڑھے تو بیم ورجا کا عالم تھا‘ اس زمانے میں مخالفت کچھ سطحی سی تھی اس کے بعد جب یہ تصور عملی صورت اختیار کرنے لگا تو مخالفت نظریاتی ہوتی چلی گئی اور اس میں تندی و تیزی اور تلخی بھی آتی چلی گئی۔ بالآخر پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مملکت کیا تھی؟ یہ تصور کیا تھا؟ یہ عمل کیا تھا؟ یہ عمل‘ یہ تصور اور یہ مملکت ثنویت کو مٹانے کے لئے تھی۔ پاکستان میں اقبال کے تصور کا اسلامی نظام اسی صورت میں قائم ہوسکتا تھا کہ یہ ثنویت باقی نہ رہتی۔

اس میں کلام نہیں کہ اسلام کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر حکمرانی کا حق نہیں دیتا‘ اقتدار کی کوئی بھی شکل ہو‘ اسلام انسانوں پر اقتدار کو ختم کر دیتا ہے۔

اگر پاکستان میں اقبال کے تصور کی مملکت معرض وجود میں آ جاتی تو مذہبی پیشوائیت کی یہاں کوئی گنجائش نہ رہتی‘ حکمران طبقے نے اپنے دور کے سیکولر نظام یہاں رائج کئے۔ نام تو سارے اسلام کا لیتے رہے‘ کیونکہ اسلام کے نام پر دس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ یعنی 1930ء سے جنگ لڑی تھی‘ اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ یہ لوگ اسلام کا نام لئے بغیر اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکتے۔

یہاں مجھے اجازت دیجئے کہ درمیان میں کہیں ’’میں‘‘ آ جائے‘ جس سے میں ہمیشہ گریز کرتا رہا ہوں‘ میں طبعاً کچھ ایسا واقع ہوا ہوں‘ لیکن بعض دفعہ؟ ؎

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

افسوس‘ اقبال نے جس جہان نو کا خواب دیکھا تھا‘ وہ پورا نہ ہوسکا۔ مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ اقبال نے وہی کچھ کہا جو قرآن نے کہا ہے اور ہمارا تو ایمان ہے کہ اس نظام (اسلام) نے دنیا کے ہر نظام پر غالب آ کر رہنا ہے۔ اگر ہم شروع ہی سے نوجوان طبقے بالخصوص طلباء کے نصاب ہی سے اقبال کو لازم کر دیتے تو آج ہمیں قنوطیت کا شکار نہ ہونا پڑتا۔ اب بھی اگر یہ انتظام ہو جائے تو اقبال کا تصور نئی نسل کے رگ و ریشے میں سما سکتا ہے۔ میں تو اقبال کے اس تصور کو‘ اس پیغام کو عام کرتا رہوں گا‘ یہ میرے ایمان کا جزو ہے‘ یہ میرے دین کا فریضہ ہے۔ آخر میں‘ میں عرض کروں گا کہ علی گڑھ یونیورسٹی قائم ہوئی‘ تو پاکستان کی مملکت معرض وجود میں آ گئی‘ اگر یہاں بھی ایک ایسی درسگاہ قائم ہو جائے اور اقبال کے تصور کو نصاب کا حصہ بنا دیا

جائے‘ تو اقبال نے جس جہان نو کا خواب دیکھا تھا‘ وہ شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔ (ہاں)۔ حضرت علامہ نے فرمایا تھا:

’’زود یا بدیر یہ سوال مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اصل مسئلہ یہ ہے۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی‘ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہئے‘ بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر آگے بڑھے‘‘۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اقبال کے پیغام اور ان کی فکر کو عام کرنے کے لئے ہم کہاں تک آگے بڑھے ہیں؟ اور اگر نہیں بڑھے تو کس سمت کو جا رہے ہیں۔ درحقیقت مخالفینِ اقبالؒ کی خواہش ہے کہ ؎

ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

اس دور میں جس کو شرعِ پیغمبری یا نظامِ اسلامی کہا جاسکتا ہے وہ تو اقبال کے تصور سے پیدا ہوتا ہے‘ (اور اب) ہم آہستہ آہستہ وہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ مذہبی پیشوائیت جس کا دائرہ ابتداء میں مذہب تک محدود تھا اب سیاست میں بھی در آیا ہے‘ حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم آگے نہیں بڑھے‘ بلکہ بہت پیچھے چلے گئے ہیں‘ اور ہماری یہ کیفیت تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں ہوئی کہ مذہب پرست طبقہ سیاست کے اوپر آ کر حاوی ہوجائے۔

س: کیا یہ بات نہیں کہ اقتدار ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہا‘ جو مذہب سے بیگانہ تھے اور صرف سیاست جانتے تھے؟ اس لئے اگر یہ تجربہ بھی دیکھ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

ج: مگر میری ذاتی رائے میں اگر انتخابات میں ایسا ہوا‘ تو ہوسکتا ہے‘ مذہبی طبقہ اس فکر میں ہے کہ اقبالؒ کی فکر آگے نہ آئے۔ حکمران طبقوں کے مفاد میں بھی یہ بات ہے کہ سیکولر نظام ہی رہے۔ سرمایہ دار طبقہ کی بھی یہی خواہش ہے‘ کیونکہ یہ ان کے مفاد میں ہے‘ اقبال اور قرآن سرمایہ داری کے مخالف ہیں۔ (یہ سب گروہ) فکر اقبال کے مخالف ہیں کیونکہ یہ طبقے نہیں چاہتے کہ یہاں سلامی نظام رائج ہوجائے۔

س: تو پھر اقبال کی فکر کو عام کون کرے گا؟

ج: جس کو جرأت نصیب ہوگی‘ وہی اقبال کی فکر کو عام کرے گا۔ ایسی جرأت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کو بخشی تھی‘ بقول اقبال:

’’وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے وہ جسے رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے‘‘۔

جرأت کے فقدان کے بغیر اقبال کا تصور یا پیغام عام نہیں ہوسکتا۔ جرأت کے بغیر یہ تصور‘ یہ پیغام یا تو شاعری ہوجائے گا یا پھر قوالوں کی ڈھولک پر گایا جائے گا۔

(بشکریہ فکر و نظر‘ اسلام آباد‘ نومبر‘ دسمبر 1977ء)

مولانا حافظ غلام مرشد مرحوم
سابق خطیب شاہی مسجد لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ اقبالؒ سے سعادت مندانہ ملاقاتیں

(مولانا) حافظ غلام مرشد تحریکِ پاکستان کے ان بلند مرتبت کارکنوں میں سے تھے جنہیں علامہ اقبال اور قائداعظم علیہم الرحمۃ کا اعتماد اور تقرب حاصل تھا۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جب جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو مولانا شبیر عثمانی کی علالت کے باعث قائداعظمؒ نے غلام مرشدؒ کو اس علماء اسلام کانفرنس کے افتتاحیہ خطبہ دینے کے لئے منتخب کیا۔ (مولانا) غلام مرشد نے پچاس سال تک لاہور میں درسِ قرآنِ کریم دیا۔ ذیل میں علامہ اقبالؒ سے ان کی چند ملاقاتوں کا احوال درج کیا جا رہا ہے جو انہوں نے قلم بند کرائی تھیں اور کئی عشرے پہلے فنون اور نقوش میں شائع ہوتی رہیں۔ (مدیر)

خاکسار کو علامہ اقبالؒ کی زیارت کا شرف اس تعلیمی زندگی میں حاصل ہو چکا تھا۔ جو اکتوبر 1941ء تک درس نظامی اور مولوی فاضل کے نصاب میں مہارت پیدا کرنے کے لئے گزرا جو پنجاب یونیورسٹی کا اس وقت مروجہ سلیبس تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے میں نے کام کیا جس کی تدریس کا فرض یونیورسٹی نے اورینٹل کالج کے سپرد کیا ہوا تھا' اور اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس (پرنسپل) مولانا غلام رسول صاحب گجراتی اور مدرسہ حمیدیہ کے پرنسپل مولانا محمد ذاکر صاحب بگوی اور مفتی عبداللہ ٹونکی کی خاص توجہ اور التفات سے دونوں کام پایہ تکمیل کو متوقع عزت کے ساتھ پورے ہوئے اور فاضلیت کی سندیں حاصل کیں اور 15-1914ء کو دورہ حدیث کی سند حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں کے صدر مدرس **شیخ الہند مولانا محمود حسن** تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی حریت پسندی کی وجہ سے اسیر مالٹا ہو گئے۔ وہ دورہ حدیث کے قابل اعتماد تلامذہ سے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی بیعت لیتے تھے۔ سالانہ امتحان میں اللہ کے فضل و کرم سے نہ صرف فرسٹ رہا۔ بلکہ ایک ریکارڈ قائم کر دیا یہ مستند ترین سندیں حاصل کرنے کے بعد اجمیر شریف میں جو نظام حیدر آباد (دکن) نے دارالعلوم قائم کیا اور جس کے وائس چانسلر نظام دکن کی طرف سے مولانا انوار اللہ مدار المہام امور مذہبیہ تھے اور پرنسپل مولانا معین الدین تھے۔ علمائے خیر آباد میں مولانا عبدالحق خیر آبادی جو مولانا فضل الحق خیر آبادی جو جنگ آزادی میں گرفتار ہوئے اور جن کو دریائے شور کی سزا ملی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی ساری علمی وراثت اور

ہزاروں احترام کے قابل حضرت مولانا ابوالبرکات ٹونکی' انہوں نے فلسفہ قدیم' ہیئت' اقلیدس اور منطق کی تمام قلمی اور غیر قلمی کتابیں یونیورسٹی کے سپرد کر دیں۔ جو حیدرآباد (دکن) کے کتب خانے میں تھیں میں نے دو سال وہاں رہ کر عقلیات کے اس نصاب کو مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں فرسٹ آیا۔ اور ممتحن اعلیٰ ابوالبرکات ٹونکی صاحب نے میرے پرچے پر یہ سنہری حروف رقم فرمائے کہ اگر امتحان کا قانون مقرر کئے ہوئے نمبروں سے زیادہ نمبروں کی اجازت دیتا تو میں اس طالب علم کو بجائے سو نمبروں کے 110 (ایک سو دس) نمبر دیتا۔ وہاں سے فراغت کے بعد اپنے مرحوم والد کی اس وصیت پر عمل کیا' جو میری ایک سال کی عمر میں انہوں نے اپنے مرشد کامل خواجہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ سے یہ کہا تھا کہ میں اپنے لڑکے کو انگریزی حکومت کے کسی محکمے میں خصوصاً فوج میں بھرتی نہیں کراؤں گا۔ اور آپ کے اس ارشاد کے مطابق کہ خواستہ حرام ناخواستہ حلال کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی حاصل کردہ تعلیم کا کسی پرائیویٹ درس گاہ میں درس دوں گا۔ چنانچہ پہلے سیال شریف ضلع سرگودھا میں جو ضیاء العلوم کے نام سے درس گاہ قائم تھی۔ حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کے جانشین حضرت حامد میاں کے حکم کے مطابق درس دیا۔ پھر انہیں کے حکم سے سورکی' تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا میں اپنے مرحوم ومغفور کے وفات پا جانے کی وجہ سے ان کے عزیزان کی تعلیم کی تکمیل کے لئے وہاں درس دیتا رہا۔ اس درس گاہ کو اس وقت خدا نے بہت عزت بخشی کہ شمالی ہندوستان کے بہت سے طالب علم داخل ہوئے اور دورہ حدیث کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ یہاں رہ کر خلیفہ شجاع الدین مرحوم ومغفور کی ترغیب پر آل انڈیا مسلم لیگ کا ممبر ہوا اور جمعیت العلمائے ہند دہلی کی طرف سے صوبائی جمعیت کا صدر مقرر ہوا اور پنجاب خلافت کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری کے بعد منتخب کیا گیا۔ جس کے پریذیڈنٹ مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ جو مسٹر محمود علی قصوری بیرسٹر کے والد ماجد تھے اور ملک لال خان مرحوم جس کے سکریٹری تھے۔ یہ کمیٹی ستم رسیدہ ترکوں کی حمیت وامداد کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور جس گہری اور بدتر چال سے ٹرکی کا عروج ختم ہوا وہ ظاہر تھی۔ اسی انگریز نے خلافت کمیٹی کو ناکام بنانے کے لئے یہاں معززین کو انعامات اور خطابات کے لالچ دے کر خرید لیا۔

اور ان خرید شدہ بزرگوں نے سول اور ملٹری گزٹ میں ان کی طرف سے اس قسم کے مضامین شائع کرنے شروع کر دیئے کہ قریشیوں کے سوا اسلامی خلافت کا کوئی حقدار نہیں۔ یہاں تک کہ اس اخبار نے خود بھی ایسے افتتاحیئے اور شذرات لکھنے شروع کر دیئے جن کا عنوان ''الائمۃ من القریش'' ہوتا کہ پیغمبرؐ کا اعلان موجود ہے کہ میرے بعد خلیفہ اور امام قریشی ہوں گے۔ پنجاب کمیٹی کے موجودہ صدر نے مجھے یاد فرمایا کہ ہماری تحریک کو ناکام بنانے کی جو انگریز نے سازش شروع کی ہے کیا آپ اس روایت کا تجزیہ کریں گے۔ میری اطلاع دینے پر کمیٹی نے بھاٹی دروازہ کے باہر ایک پبلک جلسے کا اعلان کر دیا اور میں نے اللہ کی توفیق سے اس پبلک جلسے میں تقریر کی۔ یہ میری پہلی سیاسی تقریر تھی۔ اور اخبار زمیندار کے نمائندوں کے سوا دوسرے اخباروں کے نمائندے بھی موجود تھے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کا نمائندہ بھی شامل تھا اور مسلمانوں کا انگریزی اخبار مسلم آؤٹ لک' جو مولانا عبدالحق کی زیر قیادت نکل رہا تھا۔ اس کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اسے تاریخی اجلاس کہا جائے تو بے جا نہ ہو

گا۔ خاکسار نے اس پرامن جلسے میں اس حدیث کا پورا تجزیہ کیا اور ثابت کیا کہ یہ حدیث نہ روایتاً صحیح ہے نہ درایتاً صحیح۔

1۔ یہ الفاظ صحیح بخاری اور مسلم میں موجود نہیں اور جن صحیحین کے سوا جن بزرگ محدثین نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ ان کی سندوں کے جو سلسلے بھی بیان کئے ہیں۔ ہر سلسلے میں کوئی نہ کوئی بدترین کذب (جھوٹ) کا مرتکب ہے' روایت کا تو یہ حال ہے۔

2۔ درایتاً کہ قرآن نے مسلمانوں کو اعلیٰ اقتدار امامت' امارت اور خلافت کی بشارت دی ہے۔ اس میں ہاشمیت اور قریشیت کی کوئی تمیز نہیں (سورہ چوبیس' آیت پچپن' پارہ اٹھارہ رکوع تیرہ) اور جن بزرگ مسلمانوں نے قریشیت کو خلافت کی شرط قرار دیا ہے۔ جو اپنے دور میں بہت معزز و محترم محقق سمجھے جاتے تھے۔ اور بڑی بڑی عقائد کی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ حضرت علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد سے کون بے خبر ہے اور میر سید شریف جرجانی کی شرح مواقف سے اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے کون ناواقف ہے بلاشبہ انہوں نے اپنی کتابوں میں شرائط خلافت کے متعلق جو لکھا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ قریشی ہو مگر یہ حضرات خود یہ نظریہ اپنے دور کی غیر قریشی حکومتوں کے دوران میں کیوں نہ پیش کر سکے۔ (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص: 111 جلد دوم)۔

3۔ ان ترکوں کی شرافت اور دیانت کا وہ حال ہے کہ انہوں نے ترکی میں اپنے دور کے بہت بڑے مجاہد عثمان کے عہد میں حکومت عثمانیہ کی بنیاد رکھی اور اقتدار اعلیٰ کے مالک ہو گئے۔ مگر جب تک کہ حکومت عباسی کا دور قائم رہا۔ وہ انہیں خلیفہ تسلیم کرتے رہے اور سلیم الاول کے دور میں تمام اسلامی سلطنتوں نے ان کو خلافت کا اعزاز بخشا۔ یہ واقعہ مئی 1512ء کو پیش آیا۔ عثمان کے اقتدار کی بنیاد 27 ستمبر 99ء کو پڑی۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر ان کے اسی اعزاز کی خاطر مسلمان اپنے جمعوں اور عیدین کے خطبوں میں انہیں کا نام لے کر ان کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔

اس پہلی سیاسی تقریر کے بعد علامہ اقبالؒ نے اس خاکسار کو یاد فرما کر شاباش دی اور میری پورے مجمع کے سامنے یہ پہلی ملاقات تھی۔

(2) دوسری اہم ملاقات کا شرف تقریباً سال بھر کے بعد ہوا۔ علامہ اقبال نے اس خاکسار کو علامہ سے والہانہ عقیدت مندی رکھنے والے مسٹر محمد دین تاثیر (جو بعد میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے پرنسپل مقرر ہوئے تھے) کے ذریعہ بلوا بھیجا' علامہ اقبال کو ڈاکٹر تاثیر سے پرخلوص محبت تھی اور اگر یہ کسی وجہ سے ان کے پاس نہ جاتے تو ان کو بہت بے چینی ہوتی تھی۔ خاکسار نے کناری بازار کی اونچی مسجد میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کو قرآنی ہدایات کا درس دینا شروع کیا ہوا تھا۔ اور انہیں اجازت دے رکھی تھی کہ انہیں جو شبہات قرآنی تعلیم کے متعلق پیش آئیں۔ انہیں درس کے اختتام کے بعد پیش کریں۔ چنانچہ انہوں نے ماسٹر عبداللہ چغتائی اور ڈاکٹر نذیر احمد پنشنر گورنمنٹ کالج کے ساتھ مل کر قرآن کریم کی کتابت کے متعلق سوال پیش کیا۔ خاکسار تقریباً ایک ہفتے تک اس سوال کا جواب دیتا رہا اس علمی گفتگو کا علم علامہ اقبالؒ کو ڈاکٹر تاثیر کے ذریعے ہو گیا اور اپنے حاضرین مجلس کے سامنے اپنے مخلص احباب کی موجودگی میں یہ بحث شروع ہو گئی۔ خاکسار نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کا جواب عرض کیا۔

1۔قرآن کریم نے کتابت کے جتنے لوازم ہیں۔انہیں ذکر کر دیا ہے۔جو آج تک تسلیم کئے جاتے ہیں۔قلبی خیالات و معلومات کو قلم کے ذریعے قلم بند کرنا (سورہ الشرح، آیت نمبر 5,4) یعنی جس خدا نے تم پر قرآن کریم ایسی انمٹ کتاب بھیجی ہے۔اسے قلم بند کرنے کے لئے قلم بھی عطا فرمایا۔اور ان آخری مکمل اور واضح ہدائتوں کو قلم بند کرنے کے لئے کاغذ سے بھی نوازا اور ان کے قلم بند کرنے کے لئے خوبصورتی کے لئے سیدھی لائنوں میں لکھنے کے اسباب بھی فراہم کر دیئے (سورۃ الطور آیت نمبر:2۔3 کتاب مستور فی رق منشور) اور ان انمٹ ہدایات خداوندی کہ تمہیں پوری طرح پڑھانا اور یاد کرانا ہی نہیں ہے۔بلکہ ان کو ترتیب وار لکھوانا اور تفصیلات بیان کرنا بھی ہے (سورۃ القیامۃ، آیت نمبر:17۔18۔19) اسی ''رق منشور'' کی تفسیر ایک ایسے لفظ سے کی جو آج تک مروج ہے قرطاس ابجد (سورہ الانعام، آیت نمبر:7)۔

2۔ قیصر و کسریٰ وغیرہ کی حکومتوں نے جو کھلی تجارت کی تحریری اجازت جو حضرت ہاشم کے چاروں بیٹوں کو دے رکھی تھی وہ بھی قلموں سے لکھی ہوئی تھی اور اس دور کے مروجہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت و رسالت سے نوازا جانے سے پہلے بیس برس کی عمر میں بنی قیس اور بنی کنانہ میں جو جنگ ہوئی جسے حرب فجار کہتے ہیں۔اس کے بعد جو معاہدہ طے پایا تھا۔جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔یہ معاہدہ بھی قلم سے لکھا گیا تھا۔اس معاہدے میں آپ ﷺ نے نہ صرف شرکت فرمائی۔بلکہ اس معاہدے کا مضمون بھی تیار فرمایا۔جس کی دو شقیں بہت مشہور ہیں۔فریقین میں ہر ایک فریق جو حرب فجار میں شامل ہوئے تھے وہ مظلوم کی حمایت کرے اور دوسری شق اس معاہدے کو توڑنے والے اور ظلم و ستم کرنے والے کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔آپ ﷺ نے رسالت اور ختم نبوت سے نوازے جانے کے بعد کئی بار اس معاہدے کا تذکرہ فرمایا۔نہ صرف تذکرہ فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان شرائط پر آج بھی اگر کوئی مجھ سے معاہدہ کرنا چاہے تو میں تیار ہوں (طبقات ابن سعد) پھر جب مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔تو وہاں کے امن پسند قبائل سے تحریری معاہدے کئے اور صلح حدیبیہ کے معاہدے کو کون نہیں جانتا جو 6ھ میں ہوا۔یہ بھی کاغذ پر تحریر تھا۔پھر صلح حدیبیہ دو درجن کے قریب کسریٰ و قیصر اور دوسرے سلاطین کو گرامی نامے لکھے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی ان کے لئے تو کاغذ مل گیا۔نہیں ملا تو قرآن کے لکھنے کے لئے۔نیز حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جب تمام عرب کا ایک بڑا اجتماع حج کے موقع پر ہوا۔جس میں زمانہ جاہلیت کے قصیدوں کا انتخاب کیا گیا۔سات قصیدوں کا انتخاب کیا گیا جن میں پہلا قصیدہ امراؤالقیس کا ہے۔

3۔ علامہ ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں اپنے پہلے مقالے کے پہلے فن میں ایک عنوان لغات الامم میں العرب والعجم واکلامہا وانواع خطوطہا واشکال کتابات ہا قائم کیا۔جس میں اس نے ثابت کیا ہے مختلف حالتوں میں اور سائزوں میں ہزاروں سال سے قسم قسم کے کاغذات موجود تھے۔ان میں مصر کے ترقی یافتہ کاغذ کی نوعیت پر اچھی بحث کی ہے۔ایرانیوں اور رومیوں نے اپنی ذلیل ترین شکستوں کا انتقام لینے کے لئے اسلام کا لباس اوڑھ کر اس قسم کی حدیثیں وضع کرنی شروع کر دیں کہ عام لوگ ان متضاد روائتوں سے متاثر ہو کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم الکتب

قرآن مجید کی عظمت ان کے دلوں سے اٹھ جائے۔

❁❁❁❁

کیونکہ ان کو جو شکست ہوئی قرآن کی بدولت ہوئی۔ چنانچہ سب سے زیادہ جو حدیث مستند ترین کتابوں میں آئی وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وصال تک کوئی بھی حصہ قرآن کا جمع نہیں ہوا۔ اور انہیں زید رضی اللہ عنہ ابن ثابت کے ذریعے مشہور ہوا کہ آپ کے دور میں قرآن پاک اپنے طور پر بعض صحابہ کرام نے ہڈیوں پر، چیتھڑوں پر، پتوں پر اس کے کچھ حصے لکھوا رکھے تھے، جو سب سے پہلے جنگ یمامہ میں حفظ قرآن کی نعمت سے مالا مال ہوئے تھے۔ حفاظ وسیع پیمانے پر اس جنگ میں قتل ہوئے اور ان محدثین کے قول کے مطابق انہیں قرآن کریم کے مٹ جانے کا خطرہ لاحق ہوا؛ حضرت رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کی تجویز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی جو ردوقدح کے بعد منظور ہوئی۔ اور حضرت زید ابن ثابت انصاری کی سرکردگی میں ایک کمیٹی مقرر کی، جو اپنے طور پر قسم قسم کی لکھی ہوئی تحریریں پیش کریں اور ان کی نگرانی میں قراطیس بھی مل گئے یہی نسخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رہا۔ انہوں نے وفات کے وقت اپنی صاحبزادی ام المومنین رضی اللہ عنہا حفصہ کے سپرد کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا۔ کہ لوگوں نے اپنے طور پر بھی قرآن کے بعض حصے اپنی خود ساختہ تفسیروں کے ساتھ بنا کر لکھ رکھے ہیں۔ لہٰذا حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن کا مستند نسخہ منگوا کر ایک بارہ آدمیوں کی کمیٹی میں پیش کر دیا اور حکم جاری کیا کہ جس جس کے پاس جو بھی قرآن کا حصہ لکھا ہوا ہے۔ وہ اس کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔ پھر اس معیار پر جن کی اپنے طور پر تحریر کی ہوئی آیتیں اور تفسیریں منطبق نہ ہوئیں تو انہیں جلا کر راکھ کو دفن کر دیا اور اس مستند نسخے کی متعدد مستند نقلیں کروا کر اپنی سلطنت کے اسلامی ممالک کے ہر صوبے میں بھیج دیں اور گورنروں کو ہدایت کی کہ جو بھی عالم قرآن کے درس دینے پر متعین ہو۔ وہ اس نسخے کو پیش نظر رکھے اور اپنی وفات تک قرآن حکیم کے ان مستند نسخوں کو مدرسین کی تشریحات سے پاک رکھو اور اگر تم بضرورت تشریح کرو تو ان تشریحات کو قرآن حکیم کا جزو نہ بننے دو۔

ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاکسار کا امتحان لینے کی غرض سے تاریخی شہادت طلب فرمائی جس کے جواب میں خاکسار نے یہ عرض کیا کہ قرآن کریم کی جمع اور ترتیب کو قرآن کے بدترین مخالف بھی تسلیم کرتے تھے: جن ہدایات کو یہ شخص یعنی سرکار دو عالم ﷺ ہدایات خداوندی کے نام سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے وہ درحقیقت ہماری نظروں میں پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھوا لیا ہے اور جو صبح و شام اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ (سورہ الفرقان، آیت نمبر: 5 پارہ 19 رکوع 14) اور اس تاریخی واقعہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب مختلف ممالک کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں وفدوں کی شکل میں وفد آئے اور ان میں سے ایک ثقیف کا وفد تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے اپنا فرض تلاوت ختم فرمایا۔ تو ان سے معذرت کی کہ تمہیں میرے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے انتظار کرنا پڑا جب میں اس قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتا ہوں اور جب تک اس حصے کو ختم نہ کر لوں میں

کسی سے بات نہیں کرتا۔ چنانچہ تم سے زیادہ تعداد میں لوگ مسجد میں قدیم ترین اور مخلص ترین مسلمان بھی انتظار میں تھے۔ وفد ثقیف نے گرویدگی اور محبت سے قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ کی عادت پوچھی' تو فرمایا' ایک دن سورۃ فاتحہ سے شروع کر کے سورۃ توبہ کی آخری آیت پر ختم کرتا ہوں اور چوتھے دن سورۃ بنی اسرائیل سے شروع کر کے سورۃ الفرقان کی آخری آیت پر ختم کرتا ہوں' اور پانچویں روز سورۃ شعرا سے شروع کر کے سورۃ یٰسین کی آخری آیت پر ختم کرتا ہوں اور چھٹے دن سورۃ والصافات سے شروع کر کے سورۃ الحجرات کی آخری آیت پر ختم کرتا ہوں اور ساتویں دن سورۃ ق سے لے کر سورۃ والناس کی آخری آیت پر ختم کرتا ہوں۔ یہ بے مثل قرآت صدیوں تک علماء کی نظر میں فہمی بشوق کے نام سے مشہور تھی۔ آپ (اقبال) کے دریافت فرمانے پر خاکسار نے عرض کیا کہ اس بے مثل قرآت کا تذکرہ صحاح ستہ میں سنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ پھر فرمایا کہ ان روایات کا کیا بنے گا۔ جن میں بڑے زور شور سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی جمع وترتیب کا ولولہ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں جنگ یمامہ میں بہت سے قاریوں کے شہید ہونے سے پیدا ہوا۔ خاکسار نے گزارش کی کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں عرض کروں گا کہ یہ روایات بھی مسلمانوں کو قرآن کریم سے منحرف کرنے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔ بڑے زوردار الفاظ میں یہ اعلان موجود ہے کہ یہ انمٹ حقیقت اور ناقابل تردید صداقت ہے کہ صرف ہمیں نے اس قرآن کو اتارا ہے جو قیامت تک انسانوں کو ان کے فرائض کی یاددہانی کراتا رہے گا۔ اور یقیناً ہم ہی اس کی قیامت تک حفاظت کرتے رہیں گے اور عرض کیا کہ اس قسم کی احادیث قرآن کے مقابلے میں کون پیش کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ فریب کار اپنی فریب کارانہ اور ابلیسیانہ شکل میں ایسی حدیثیں وضع کریں اور ہمارے سادہ لوح انسان ان پر بحثیں کریں۔ کسی میں حضرت ابوبکرؓ کی منقبت ہو۔ کسی میں حضرت علیؓ کی اور حدیثیں گھڑنے والے ان دونوں کے لئے متضاد حدیثیں وضع کرتے تھے' مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو حیرانگی میں ڈالتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چھ برس تک اس قسم کی احادیث کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس لئے ان کے دور میں قرآن حکیم تھا اور جگہ جگہ اس کی ہر قسم کی تعلیم کا انتظام تھا۔ وہاں قرآن حکیم نے جن اوامر اور نواہی کی کوئی خاص کیفیت' کمیت' ہیئت' اور وضع اور شکل متعین نہیں فرمائی اور حضور ﷺ کو حکم دے دیا کہ جو ان اوامر اور نواہی کی تفصیلات حالات کے مطابق آپ چاہیں متعین فرما دیں اور آپ کے متبعین کا فرض ہے کہ اس اسوہ حسنہ کی تعمیل کریں۔ ہاں اگر آپ کے جانشین اپنی مجلس شوریٰ کے ساتھ مل کر کچھ تبدیلی کرنا چاہیں' تو تبدیلی کر سکتے ہیں جیسے خود حضور ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں بدر سے لے کر حنین تک متبادل صورتوں میں تقسیم کیا۔ محدثین کے اسی جمع وتدوین کے کارنامے جو مسلمانوں کی محض سلف صالحین کی محبت کی وجہ سے سرانجام پائے وہ آخر پہلی دفعہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا ذریعہ پھر اس جمع وتدوین کے سلسلے میں جب خارجی اور رافضی کے دو متضاد فرقے پیدا ہو گئے' جو افتراق سے قبل ان مسلمانوں کے قتل عام کا موجب بنے جو صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ ان میں سے دو جنگیں جنگ جمل اور جنگ صفین کے نام سے مشہور ہیں' ان دونوں جنگوں میں تقریباً نوے ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ اور جب ان کی منشا کے

خلاف صلح ہوگئی۔ جوان کے مشن کے خلاف تھی وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ حمایت کرنے والے شیعہ کہلائے اور شدید ترین مخالفت کرنے والے خارجی پھر ان کی آپس میں جنگ ہوئی' جسے جنگ نہروان کہتے ہیں۔ اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان' مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور وہ اپنے تفرقے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں جو احادیث کی صحت وعدم صحت کی منظم کوشش شروع ہوئی وہ بھی بے وقت ہونے کی وجہ سے ناکام رہی۔

(3) علامہ اقبال مغفور نے اپنا خاص قاصد بھیج کر فوری طور پر پہنچنے کا حکم دیا۔ جب یہ خاکسار اس حکم کی تعمیل میں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں پہنچا۔ دیندار علماء' وکلا' مخلص احباب' جن میں جج صاحبان بھی موجود تھے۔ خاص طور سے جسٹس دین محمد صاحب موجود تھے ان دنوں ان کے عقیدت مند دوست اور خدام 1926ء کے الیکشن کے لئے آپؒ کو پنجاب کونسل کی لاہور سیٹ سے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ اتنے بڑے بزرگوں کے اجتماع کو دیکھ کر ایک گونہ حیرت بھی ہوئی۔ اور ایسے وقت میں یاد فرمائی پر تعجب بھی ہوا میرے جانے پر ان بزرگوں کے مجمع کو دو حصوں میں بٹا ہوا دیکھا۔ جو قرآن کریم کی بعض آیات کے منسوخ ہونے پر بحث فرما رہے تھے۔ میں دبک کر بیٹھ گیا۔ علامہ نے پیار سے فرمایا ''**بدو مولوی میرے پاس آجاؤ اور تم بھی حصہ لو**'' میں نے دونوں طرف کے اکابر کی طرف اشارہ کرتے عرض کیا کہ آپ اور ان بزرگوں کی موجودگی میں اس نوعمر خاکسار کو جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہے۔ اتنے اہم مسئلے میں کیسے حصہ لے سکتا ہے لیکن آپؒ نے فرمایا کہ ''میں حکم دیتا ہوں کہ آپ بھی اس سلسلے میں اظہار خیال کریں۔ خاکسار نے گزارش کی کہ آپؒ کو اور ان بزرگوں کو معلوم ہے کہ قرآن کریم میں نسخ آیات کا ذکر ضرور موجود ہے بلکہ تبدیلی آیات کا بھی (سورۃ الجاثیۃ، آیت نمبر:29، پارہ:25 رکوع:20) تحویل وانتقال' ان معنوں میں بھی ان دونوں بزرگ جماعتوں کو معلوم ہے وراثت کی کتابوں میں تناسخ المیراث کا ایک مستقل باب ہے۔ یعنی ترکے کا انتقال غالباً اسی معنی کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کے ہندوؤں میں ایک عقیدہ آواگون کا سلسلہ جاری ہے۔ تیسرا معنی ازالہ ومحو' مٹا دینا (سورۃ الحج، آیت نمبر:52 پارہ 7 رکوع 14) آیات خداوندی کا لفظ بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً مناظر قدرت اور تاریخی قوموں کے آثار قدیمہ (سورۃ النحل، آیت نمبر:22 پارہ 15 رکوع 2) و (سورۃ النحل، آیت نمبر:11-12-13 وغیرہ) و (سورۃ الشعراء آیت نمبر:8 پارہ:19 رکوع:1) و آیت نمبر:27، رکوع:4' و آیت نمبر:103 رکوع:5' و آیت نمبر:121 رکوع:6 و آیت نمبر:139 رکوع 7 و آیت نمبر:158 رکوع:8 و آیت نمبر:174 رکوع:9 و آیت نمبر:190 رکوع:10) سورۃ الشعراء، آیت نمبر:129، سورۃ نمبر:26) یہ آیت مثالیں ہیں۔

سلسلہ رسالت کے شروع ہونے سے لیکر آخر تک جو خدا کی طرف سے نبیوں کی وساطت سے قوموں کو ہدایات دی گئیں' چنانچہ حضرت آدمؑ کو جب وحی نبوت کے ذریعے چند انمٹ ہدائتیں دیں۔ تو ان کی تعبیر آیات اللہ سے کی (سورۃ البقرہ، آیت نمبر:39، پارہ پہلا رکوع:4 (و) سورۃ الاعراف، آیت نمبر:35 پارہ 8 رکوع:11 (و) سورۃ التوبہ، آیت نمبر:103 پارہ 9 رکوع:3) اور حضرت نوحؑ کے تذکرے میں (سورۃ الشّمس، پارہ:11، رکوع:12)۔

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل انمٹ ہدائتیں اللہ پاک کی طرف سے نبیوں کے ذریعہ سے دی گئیں۔ وہ تو ان کی وفات کے بعد ان کے خودغرض' دین فروش مذہبی پیشواؤں نے دولت مندوں اور حکومتوں سے پیسے بٹورنے کے لئے فراموش کر دیں اور عوام کے دلوں سے ان کے نقش ونگار مٹا دیئے۔ ان احکام خداوندی کی جگہ اپنی پیشوائیت کو قائم رکھنے کی غرض سے کچھ احکام خود گھڑ لئے۔ ان مذہبی پیشواؤں کے کے مخترع احکام کی تعبیر بھی آیات ربانی سے کی اور انہیں آیات اللہ کہنا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر خدا کے پیدا کئے ہوئے بعض جانوروں اور زمین کی پیداوار کے ایک حصے کو اپنے خودساختہ معبودوں کے لئے مخصوص کر دیا اس طرح اپنی اولاد خصوصاً بعض بیٹوں کو قتل کر دینے کے احکام جاری کر دیئے اس سے دیوی اور دیوتا خوش ہوتے ہیں۔ یہ ہدائتیں تھیں۔ اسی طرح بعض چار پاؤں پہ سواری یا ان سے کام لینے کو ممنوع قرار دے دیا اور بعض مردار جانوروں کا گوشت کھانا حلال ٹھہرا دیا اور بعض جانوروں سے استفادہ عورتوں کے لئے حرام کر دیا اور مردوں کے لئے حلال کر دیا (سورۃ الانعام آیت نمبر: 141۔137 پارہ:8 رکوع:3) اس قسم کے افترا پردازانہ احکام کا تذکرہ (سورۃ المائدہ آیت نمبر:103، پارہ:7، رکوع:4) اسی طرح یہودیوں کی اصلاح کے لئے وقتی طور پر جو حکم جاری کیا کہ ناخن دار جانوروں اور گائیوں اور بکریوں کی مخصوص چربیوں کا استعمال تمہارے لئے حرام ہے (سورۃ الانعام، آیت نمبر:147، پارہ:8، رکوع:5 (و) سورۃ النساء، آیت نمبر:107، پارہ:6، رکوع:2) اس قسم کے وقتی احکام کو بھی مذہب کا دائمی حکم ٹھہرا دیا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ منسوخ شدہ آیتوں سے قرآن کی آئتیں مراد نہیں' بلکہ پہلے مذہبی پیشواؤں کے من گھڑت احکام کا نسخ یعنی ملیا میٹ کرانا مراد ہے اور جن احکام خداوندی کو انہوں نے اپنی دین فروشی کے ماتحت دین فروشی کی غرض سے یعنی مذہبی سیادت کو قائم رکھنے کی غرض سے اپنے عوام کے دلوں سے ان کے نقوش تک مٹا دیئے تھے۔ میری سمجھ میں یہی آتا ہے اور قرآن نے انمٹ اور ابدی احکام جن کے نقوش تک یہ مذہبی پیشوا مٹا چکے تھے۔ انہیں صحیح شکل وصورت میں کر دیا جنہیں تمام پیغمبر پیش کرتے رہے تھے۔ سب سے زیادہ زور قرآن نے شرک کے مٹانے پر دیا۔ جسے تمام پیغمبر اپنے اپنے وقت میں مٹاتے رہے وہ شرک شفاعت میں ہو یا عبادت میں ہو یا حکم میں ہو قرآن نے سارا زور اسی پر دیا ہے۔ قرآن نے ان کی خودساختہ اور ان کے مذہبی دین فروش پیشواؤں کے احکام جو خدا کے نام پر پیش کرتے تھے جن سے وہ بگڑ کر معاذ اللہ آپ ﷺ پر افترا پردازی کی تہمتیں لگاتے تھے۔ چنانچہ قرآن نے (سورۃ الحجر، آیت نمبر:101، پارہ14، رکوع:20) کہ جب بدلتے ہیں ہم کسی حکم کو ان کے خودساختہ مذہبی احکام کی جگہ تو وہ چیخ چیخ کر یہ پکارتے ہیں ''کہ تو فقط افترا پرداز ہے اگلی چار آیتوں میں ان کی افترا پردازیوں کی مزید تفصیل فرمائی ہے اور (سورۃ الحج کی آیت نمبر:52، پارہ:17، رکوع:14) بڑی وضاحت کے ساتھ اعلان فرما دیا کہ ہم نے تم سے پہلے جب کبھی اپنا رسول بھیجا اور اس نے اپنی قوم کو میری آیتوں کے سنانے کا سلسلہ شروع کیا' تو شیطان سیرت مذہبی پیشواؤں نے آیات کے سلسلے میں اپنے مروجہ احکام کی آڑ لے کر ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ لیکن ہم نے ان کی رکاوٹوں کو ملیا میٹ کر دیا اور پھر اپنے رسول کے ذریعے دی ہوئی انمٹ ہدایتوں کو لوگوں کے

دلوں میں مستحکم اور مضبوط منقش کر دیا اور پارہ پہلا سورۃ دو کے پہلے رکوع کی پہلی آیت میں مسلمانوں کو حضور ﷺ کے حق میں ذو معنی الفاظ استعمال کرنے کے لئے سختی سے مخالفت فرمائی' بلکہ اس کو کفر قرار دیا۔ رکوع کی دوسری آیت میں یعنی 105 میں اہل کتاب اور مشرکوں کو بدترین دشمنی اور افترا پردازی سے فراموش کرائے ہوئے کسی حکم کو فراموش ہو جانے کا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ تو ان سے بہتر یا ان جیسا حکم تمہارے ذریعے لوگوں کیسامنے پیش کرتے ہیں۔ یعنی ان کے افترائی احکام میں جو کسی موزوں شکل میں قائم رکھے جا سکتے تھے انہیں اچھی سے اچھی شکل دے کر پیش کر دیتے اور جو کسی ہیئت صورت' کیفیت کی تبدیلی کے قابل نہیں ہوتے۔ انہیں سرے سے مٹا کر ان کی جگہ بہتر سے بہتر احکام صادر فرما دیتے ہیں۔ خاکسار کی یہ تقریر میر محفل کے احترام کی وجہ سے نہایت خاموشی سے سنی گئی۔ مگر آپ (اقبال) نے فرمایا کہ آیات قرآنی کے نسخ کا مسئلہ کیسے پیدا ہو گیا؟ خاکسار نے عرض کیا کہ نسخ پر مسلمانوں نے جو کتابیں لکھی ہیں خود ان میں سے علمائے کرام کے ایک فریق نے یہ تسلیم کیا ہے ان آیات میں ان احکام کی نسخ کا ذکر ہے جو پہلی امتوں کے پاس من گھڑت مذہبی احکام یا وہ فروعات ہیں جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا تذکرہ آٹھویں یا پانچویں پارہ کی سابقہ آیات میں عرض کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں قرآن نے پیش کی ہے (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر:49، پارہ:3 ،رکوع:12) میں نے اپنی بساط کے مطابق اس مسئلے پر مسلمانوں کی جو کتابیں پڑھی ہیں۔ جن میں مشہور کتاب 'الناسخ والمنسوخ' الامام ابوجعفر النحاس المتوفی 338 ہجری مطبوعہ مصر (1323) اس کے بغور مطالعہ کرنے سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

1۔ پورے قرآن میں کسی آیت کو دوسری آیت سے منسوخ کرنے کا تذکرہ تک نہیں۔

2۔ کسی آیت کے منسوخ ہونے سے متعلق یا ناسخ ہونے کے متعلق کوئی ایسی روایت (نہیں جو) صحیح ہو۔

3۔ صحابہ کرام کے نام پر موقوف روائتیں موجود ہیں' لیکن متضاد۔

4۔ پہلے پارے کی نسخ کی آیت کے ساتھ نسیان آیات کا بھی ذکر ہے جس کی خود قرآن کریم نے بڑے زوردار الفاظ میں تصدیق کر دی ہے۔

خدا کی پڑھائی ہوئی آیتوں کے متعلق حضور ﷺ کا نسیان کا شکار ہونا خود قرآن کریم کے اعلان کے خلاف ہے (سورۃ الاعلیٰ، آیت نمبر:6 پارہ:30، رکوع:12)۔

5۔ منسوخ آیات قرآنی معاذ اللہ کی مخترع تعداد میں بے حد اختلاف ہے چنانچہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے (سورۃ احزاب 33) سورۃ بقرہ کے برابر تھی' حالانکہ سورۃ بقرہ کی آیتوں کی تعداد 286 ہے اور سورۃ احزاب کی صرف 73' جو سیکڑوں سے متجاوز ہو جانے کے بعد پھر گھٹنی شروع ہوئی۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان میں ان کی منسوخ آیتوں کی تعداد بیس متعین کی اور انہوں نے اسے اپنی کتاب میں منظم شکل میں پیش کیا۔ ستائیسواں حصہ 314' بعض بزرگ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے فرمایا کہ جابر کافروں کے ظلم وستم سہتے ہوئے صبر کرنے کا حکم دیا تھا ان ایک سو چوبیس آیتوں کو آیت سیف

نے منسوخ کر دیا۔ لطیفہ یہ ہے کہ بعض بزرگ اس کارِ خیر میں عجیب بات لکھ گئے کہ (سورۃ الاعراف کی آیت نمبر:199، پارہ:9 رکوع:14) تین فقروں کی جو آیت ہے۔ ان میں سے دو فقرے منسوخ اور درمیانہ فقرہ غیر منسوخ۔

6۔ نسخ کا سوال آیات کے تضاد پر موقوف ہے اور قرآن کریم نے تضاد کی پوری نفی کر دی ہے۔ بلکہ خود قرآن نے تضاد نہ ہونے کو اپنے کلام کی دلیل بنایا ہے (سورۃ النساء آیت نمبر:82، پارہ:5، رکوع:8) اور تضاد کے متعلق علم ادب و علم منطق کا یہ فیصلہ ہے:

در تناقض ہشت وحدت شرط داں
وحدت موضوع و محمول و مکاں
(مبتدا و خبر)
وحدت شرط و اضافت جزو کل
قوت و فعل است در آخر زماں

اس کے بعد علامہ اقبالؒ نے اعلان فرمایا کہ اس اہم مضمون کی تکمیل آئندہ ملاقات میں ہوگی (یعنی آٹھ دن کے بعد) بعض جدید و قدیم تعلیم یافتہ بزرگوں نے عرض کیا کہ ہمیں چند سوالات پوچھنے کا موقع دیا جائے۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کا بھی اسی دن موقع ملے گا۔ یعنی آٹھ دن کے بعد:

سب سے پہلے ان بزرگوں نے اپنے افکار اور سوالات کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد مجھے ارشاد فرمایا جس پر میں نے عرض کیا کہ ان بزرگوں کے ارشادات زیادہ تر اس بحث کے متعلق ہیں جو ہمارے پیشواؤں نے کتابیں لکھی ہیں' ان پر مبنی ہیں اور کسی بزرگ نے کسی آیت قرآنی کے نسخ کے متعلق نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت کو پیش فرمایا ہے اور اپنی عقیدت مندی کی بنا پر غیر معصوم بزرگوں کے اقوال درج کئے ہیں ایک طرف تو وہ متضاد ہیں جو کسی ایک آیت کو منسوخ کہہ رہا ہے دوسرا اس کو ناسخ بتلا رہا ہے جس کی شہادت میں خاکسار اپنے ساتھ کتاب' الناسخ والمنسوخ' مصنفہ ابوجعفر نحاس متوفی 339 ہجری اور امام ابن خذیمہ کی کتاب' الناسخ والمنسوخ مطبوعہ مصر لے کر گیا تھا۔ ان کے صفحات پڑھ کر سنائے' جن میں سے ایک ایک آیت کے نسخ کے سلسلے میں بڑے بڑے اماموں کے پانچ پانچ اقوال ہیں جن پر ایک جگہ خود علامہ ابن نحاس نے یہ لکھا کہ کسی آیت قرآنی کو اس وقت تک منسوخ نہیں کہا جا سکتا جب تک کوئی دوسری آیت قرآنی جسے ناسخ قرار دیا جاتا ہے' اس کی ہر حیثیت سے متضاد نہ ہو (کتاب الناسخ والمنسوخ (12) اور یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی دو آیتوں کا ملنا محال ہے اور قرآن اسی عدم تضاد کو انمٹ احکام خداوندی کا مجموعہ ہونے کی دلیل ٹھہراتا ہے (سورۃ النساء، آیت نمبر:82، پارہ نمبر:4، رکوع:8) اور ہمارے ان بزرگوں نے جن غیر معصوم بزرگوں کی کتابوں کو اعتماد کی سند دے رکھی ہے ان میں سے امام بخاریؒ کی ایک حدیث نقل کی ہے جو بظاہر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ پر وہ پیش فرمائی ہے۔ اگر اس کو مرفوع بھی فرض کیا جائے تو خود اس کے دونوں جملوں میں تضاد ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ شادی شدہ زناکاروں کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد ان کو سنگسار کر دیا جائے۔ لیکن میں اس

پر بھروسا رکھ کر قرآن میں لکھوانا چاہتا ہوں اور نہ اس کے لکھنے کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ اس تضاد کی موجودگی میں اس غیر یقینی روایت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور قرآن میں موجود بھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ جب قرآن کریم کی کوئی آیت یا سورت حضور ﷺ پر نازل ہوتی تھی تو ایک طرف تو معجزانہ رنگ میں حضور ﷺ کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف حضور ﷺ اسی قرآن کریم کی کتابت کرنے والوں میں سے جو بزرگ ڈیوٹی پر موجود ہوتے تھے ان سے لکھوا لیتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جب مکہ معظّمہ میں سرکار دو عالم پر سورۃ الانعام بیک وقت نازل ہوئی جس کی آیتیں ایک سو چھیاسٹھ ہیں اور رکوع بیس ہیں، اس وقت حضور ﷺ نے قرآن کریم کے جو کاتب ڈیوٹی پر تھے۔ اسی ترتیب سے پڑھ کر جس طرح خداوند کریم نے پڑھائی تھی لکھوا دی ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں یہ موجود ہے کہ یہودی حضور ﷺ کی عدالت میں شادی شدہ زنا کار مرد اور عورت کو لائے اور ان کا جرم ثابت ہو گیا کیونکہ حضور ﷺ نے ہر مذہب کی رعیت کو اجازت دے رکھی تھی۔ کہ ان کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا ان کے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ ہوگا' تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری مذہبی کتاب تورات میں اس جرم کی کیا سزا لکھی ہے تو انہوں نے غلط بیانی سے کام لے کر کہا کہ ہم اس کو کوڑوں کی سزا دیتے ہیں اور اسے رسوا کرتے ہیں۔ اسی محفل میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ موجود تھے۔ جو پہلے پکے یہودی عالم تھے۔ ان کی اس غلط بیانی کو وہ برداشت نہ کر سکے اور عرض کیا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تورات منگوائی گئی اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس میں سے رجم کی آیت پڑھ کر سنائی۔ اس ثبوت کے مل جانے کے بعد حضور ﷺ نے تورات کی آیت رجم کے مطابق ان کو سزا دی۔ آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان بزرگوں نے جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں کوئی ایک حدیث مرفوع صحیح تک موجود نہیں ہے۔ چہ جائیکہ قطعی ہو اور خود ان بزرگوں نے اپنے غیر معصوم مذہبی پیشواؤں کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ انہیں میں یہ درج ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور نہ کسی آیت نے اس کو منسوخ کیا یعنی قرآن کی کسی آیت نے کسی آیت کو منسوخ نہیں کیا ہے بلکہ کتابی اور غیر کتابی غیر مسلم جماعتوں کے گم راہ کن زر پرست مذہبی پیشواؤں نے اپنے من گھڑت احکام کو خدا تعالیٰ کے احکام کا نام دے رکھا تھا۔ اور دیدہ و دانستہ خدا پر افترا باندھتے تھے۔ جہاں تک جن انمٹ احکام کی خداوند کریم نے ہر رسول کے ذریعے ہر مذہب کی تعلیم دی تھی وہ بھی انہوں نے فراموش کر دی۔ چنانچہ سب سے بڑا حکم جو ہر نبی کے ذریعے خداوند کریم نے دیا وہ توحید فی الصفات توحید فی العبادت اور توحید فی الحکم کا حکم دیا تھا۔ وہ انہیں ایسا فراموش ہوا۔ کہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو خدا تعالیٰ کے صفات و عبادت و حکم میں شریک کر دیا (تفسیر اتقان تصنیف امام سیوطی شافعی 878 ہجری و مطبوعہ 1280ھ مطبع احمدی دہلی صفحہ: 312-313-134) میں موجود ہے۔

اس گفتگو کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

(5) 26 کے الیکشن میں خاکسار بھی دوسرے مخلص ورکروں کی طرح شامل تھا تقریباً ہر انتخابی جلسے میں جہاں ملک لال دین قیصر لکے زئی اپنی شاعرانہ سحر بیانی سے ان محفلوں کو گرما دیتے تھے۔ خاکسار بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان محفلوں کو

آرائیں اور کشمیری برادری کے سوالات سے بالاتر رہنے کی تلقین کرتا تھا میں اس الیکشن کو اسلام اور کفر کا مقابلہ کہہ کر تعارف کراتا تھا۔ ملک محمد دین آرائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے اور علامہ اقبالؒ مرحوم کا تعلق کشمیری برادری سے تھا ان کو معلوم تھا کہ آرائیں برادری کے ووٹوں کی تعداد اس حلقے میں کشمیری برادری سے کہیں زیادہ ہے۔ اس واسطے میں آرائیں اور کشمیری تفرقے سے بالاتر رہ کر علامہ مغفور کی حمایت میں اپیل کرتا تھا۔ اس عرصے میں متعدد مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ کیونکہ ہر رکن ان کے فرمان کے بموجب ہر روز اپنی اپنی کارکردگی پیش کرتا تھا۔ اور یہ روئداد سنتے تھے اور تبادلہ خیالات کرتے تھے ایک دن رات کے دس بجے ان کا نمائندہ خاکسار کے مکان پر تشریف لایا اور حکم دیا کہ آپ کو علامہ صاحب نے صبح یاد فرمایا ہے ان کی قیام گاہ پر پہنچ کر بلوا بھیجنے کی حکمت معلوم ہوئی۔ بڑے مشفقانہ اور ہمدردانہ انداز میں یہ سوال فرمایا کہ آپ نے خلافت کمیٹی کا عہدہ دار ہونے باوجود تحریک ہجرت کی مخالفت کیوں کی؟ میں نے عرض کیا کہ خاکسار اس تحریک کو گاندھی مہاراج کی ایک بدترین چال سمجھتا تھا' کہ جو ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں انہیں تو شدھ کرلیا جائے گا۔ باقی جو ہیں ان کو دیس نکالا دے دیا جائے گا۔ کابل میں جا کر رہیں یا روس میں رہیں یا مکہ مدینہ جا کر رہیں۔ یہاں ان کے رہنے کی گنجائش نہیں۔ ان کو یہ چیز بڑی ناگوار گزری۔ مگر مجمع میں سکون رہا اور میں نے عرض کیا کہ یہ ہجرت پر آمادہ کرنے والے بڑے معزز اراکین خود کیوں ہجرت نہیں فرماتے اور مجمع کو کہا کہ بلاشبہ ہجرت ناقابل برداشت مظالم کے وقت ایک مستحسن فعل ہے مگر اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ غیر مسلم حکومت کے ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آ کر دوسرے ملک میں جائیں۔ اس غرض سے جائیں کہ ہم اس ملک میں پناہ گزیں ہو کر قرآن حکیم کی انمٹ ہدایتوں کے مطابق باعزت زندگی گزاریں گے جس کی مثال ہجرت حبشہ ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اس کی اجازت دے دی تھی۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ جب تک شدید ترین مظالم توڑنے والی حکومت بدل نہ جائے اور منصفانہ حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس ملک میں واپس نہ آئیں ورنہ یہی ہجرت ان کے لئے بدترین ابدی سزا کا موجب ہوگی۔ چنانچہ جہاں مہاتما گاندھی اور ان کے ہم خیال ہم مسلک ان کے چیلے مسٹر پٹیل اور پنڈت نہرو وغیرہ نے شدھی والوں کو وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو شدھ کرنے کے لئے امداد دی اور ہر صوبے میں' ہر بڑے شہر میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے۔ جن میں سے ایک لاہور کا مشہور ترین فساد حویلی کابلی مل متصل ڈبی بازار و چوک سرجن سنگھ بڑے وسیع پیمانے پر ہوا اور سارے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس فساد میں مسلمانوں نے کافروں کا رویہ اختیار کیا اور کافروں نے مسلمانوں کا یعنی جس پر ہاتھ اٹھاؤ اسے جان سے مار ڈالو۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر:4 پارہ:26، رکوع:5)۔

اس ناپسندیدہ روش کے نتیجے میں جن ہندو اور مسلمانوں کے چالان ہوئے۔ مسلمانوں ہی کی عدالتوں نے پھانسی کی سزا دی جن میں چنگڑ محلے کا مقدمہ دنیا میں مشہور ہے۔ انہیں ملک گیر فسادات کے دور میں جو مسلمان ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے۔ انہیں کابل کی سرحد پار کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اس پر علامہ اقبالؒ بہت ہنسے اور فرمایا کہ قبوں کے گرانے کے خلاف یہاں جو تحریک چلی تھی اس کی تم نے کیوں مخالفت کی۔ حالانکہ سب مسلمان ماتم منا رہے تھے اور تم اکیلے آدمی اس

کی مخالفت کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ نجدیوں کے جدِ اعلےٰ امام عبدالوہاب نجدی توحید کے مسئلے میں بڑے متشدد تھے اور یہاں تک کہ بزرگوں کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا بھی ان کے نزدیک مشرکانہ فعل تھا۔ ممکن ہے کہ اسی تشدد کے ماتحت شریف حسین جیسے لوگوں نے مزاروں اور ان پہ بنے ہوئے قبروں کی زیارت کو جانے والوں کو مشرکانہ حرکات سے متاثر ہو کر انہوں نے یہ کام کیا۔ کیونکہ نجدیوں سے پہلے حجاز کی امارت کا شرف شریف حسین کو تھا جو کا عرب ممالک میں ترکوں کا اقتدار ختم کرنے میں بڑا دخل تھا اور جو بدترین چال باز انگریز کرنل لارنس سال ہا سال تک اسلام کا مقدس لباس پہن کر ترکوں کے خلاف فضا سازگار کرتا رہا جسے یہ عرب عقل مندی سے شیخ کویت کے نام پکارتے تھے۔ جب حرمین شریفین میں وہ اسلامی لباس اوڑھ کر اسلامی رسوم کے طور پر نماز ادا کرنے کو آتا تھا۔ تو حرم شریف کی مسجد کے امام صاحبان اس کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے۔ اور شریف حسین اور اس کے صاحبزادوں پر انگریز کا مطلب برآری کے بعد اعتماد نہ رہا۔ تو نجدیوں کو ان کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی شریف حسین کی کوئی سازش ہو۔ تاکہ ہند کے عوام نجدیوں کے خلاف ہو جائیں۔ اس طرح انگریز کی پھیلائی ہوئی خبروں متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تمام کی تمام صحیح ہوں۔ مگر ان مشکوک خبروں سے متاثر ہو کر ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ تحریک اس وسیع پیمانے پر چل نکلی تھی کہ جگہ جگہ انگریز کو دفعہ 144 نافذ کرنا پڑی۔ اس لئے نجدیوں کی حمایت میں جو مولانا ظفر علی خان نے جلسہ کرنا چاہا۔ تو وہ جہانگیر کے مقبرے کے صحن میں ہوا۔ خاکسار بھی تماش بین کے رنگ میں اس جلسے کو دیکھنے گیا مولانا ظفر علی خان مرحوم نے مجھے دور سے دیکھا تو اسٹیج پر بلا لیا اور تقریر کرنے کی فرمائش کی میں نے وہاں مختصر تقریر کی جو زمیندار اور دوسرے اخباروں کے فائلوں میں محفوظ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اگر نجدی والئ حرمین شریفین کی حیثیت سے' سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے اور ان مشرکانہ رسوم کو مٹانے کی کوشش کرنے تو سب سے پہلے ان مشرکانہ رسوم میں جو لوگ مبتلا تھے ان کے دلوں میں سے شرک اور کفر کے قبے گراتے تو ان سے مضبوط اور مضبوط تر قبوں کے مٹ جانے کے بعد وہ لوگ پتھروں' اینٹوں کے قبے خود مٹا دیتے۔ نبوت کے اکیس سال کے بعد جب مکہ شریف فتح ہوا تو بعض مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا کہ کعبے کی یہ عمارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی عمارت کے خلاف ہے۔ خلیل اللہ کی عمارت کو کعبے کی موجودہ عمارت کے جس حصے کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ اسے حطیم کہتے ہیں۔ اسے بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرز پر بنا دیں۔ جس طرح آپ ﷺ نے بتوں سے کعبے کو پاک کیا ے ارشاد فرمایا کہ یہ تعمیر اس وقت ہوئی جب میری عمر پینتیس برس تھی اور میں نے خود ایک مزدور کی حیثیت میں اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مجھے اس کے حصے کے چھٹ جانے کا علم ہے وجہ کا بھی علم ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ کی بات سچی ہوئی تھی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے حضور ﷺ کی رد کی ہوئی تجویز کے مطابق کعبے کو تعمیر کیا تاکہ لوگوں میں اسے مقبولیت حاصل ہو۔ انکی فرضی مقبولیت کو حجاج بن یوسف نے خاک میں ملا دیا جہاں اس کی تحریک ختم ہوئی وہاں اس کی بنائی ہوئی کعبے کی عمارت بھی ختم ہوگئی' اور اس نے اس شکل میں اس کی تعمیر

کرائی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس کی شکل بدلنے سے پرہیز فرمایا تھا۔ اب تک موجود ہے۔

اس پر خاکسار نے یہ بھی عرض کیا کہ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ خاکسار کو دارالعلوم نعمانیہ ہند کی انتظامیہ کی طرف سے اس تقریر کی تردید کرنے کو کہا گیا خاکسار نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے نوٹس کی پشت پر لکھ دیا کہ آپ میرا استعفیٰ منظور فرمائیں۔ چنانچہ استعفیٰ منظور ہو گیا۔ اور میں ان طلبہ کو ساتھ لے کر بھاٹی دروازہ کی اونچی مسجد میں آ گیا۔ بھاٹی دروازے کے مخیر لوگوں نے ان کے لئے کتابیں مہیا کر دیا اور ان کے قیام اور طعام کا بھی بندوبست کر دیا۔ جنہیں یہاں باقاعدہ درس دیا گیا۔ جو کورس رہ گیا تھا اس کو مکمل کرنے کے لئے یہاں درس دیا گیا۔ علامہؒ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے مستقبل کا کیوں خیال نہیں کیا۔ خاکسار نے حضرت علامہؒ کی ہمدردی کے اظہار پر عرض کیا کہ جو مسبب الاسباب مجھے چند روزہ زندگی عطا کرے گا۔ میری ضروریات کا بھی بندوبست فرمائے گا۔ ان الفاظ پر یہ پانچویں ملاقات ختم ہوئی۔

(6) جب گاندھی جی سمیت ہندو اکابر کی فریب کاریوں سے ہندو مسلم اتحاد کا تاج محل زمین بوس ہو گیا۔ اب وہی بزرگ اسی فریب کاری کے محل کا میٹیریل جوتھا۔ شدھی اور سنگھٹن کے تخریب کارانہ اوزار سے ریزہ ریزہ کر رہے تھے اور ملک گیر فسادات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس فتنہ پروازی کو مزید فروغ دینے کے لئے ایک طرف ہندو پریس اس ریزہ ریزہ شدہ میٹیریل سے اپنی زمین کو پاک کرنے کے لئے آمادہ کرتا رہتا تھا۔ وہ لگاتار ایڈیٹوریل مسلمانوں کے خلاف لکھتے تھے یہ جو مکے سے آئے ہیں وہ مکے جائیں ان کا ہندوستان میں کیا کام ہے۔ مسلمانوں کا نام انہوں نے ملیچھ قوم رکھا ہوا تھا اور شودروں سے بھی ان کو حقیر تر سمجھتے تھے اور اسی پریس میں ان کے لیڈروں کے زہریلے بیانات اسی قسم کے شائع ہوتے تھے۔ دوسری طرف فتنہ انگیز اشتہاروں، پمفلٹوں اور رسالوں کی شکل میں بے پناہ زور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا۔ جن میں سے جن میں سے رنگیلا رسول اور ورتمان وغیرہ کی دل آزارانہ روش کی بدولت انگریز کو ان کی ضبطی کے احکام بھی بادل نخواستہ جاری کرنے پڑے اور پورے پنجاب میں خصوصاً ہندوؤں کے خلاف ایجی ٹیشن غیر منظم طریق پر شروع ہو گیا۔ جس میں مجلس احرار اسلام پیش پیش تھی علامہ اقبال پنجاب کونسل کے ممبر بھی ہو چکے تھے۔ وہ تو کونسل کی ممبری سے قبل بھی ہزار عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور بڑے بڑے سرکردہ مسلمان ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کی اس دل آزارانہ کتاب رنگیلا رسول اور اس کے خلاف کی گئی غیر منظم ایجی ٹیشن کو کنٹرول کرنے کے لئے معززین کی ایک جماعت کو بلایا۔ جن میں بڑے بڑے سرکردہ خطابات یافتہ وکلاء اور جج صاحبان کے علاوہ علمائے کرام بھی تھے۔ خاکسار کو بھی اس محفل میں شرکت کے لئے بلایا۔ محفل میں حضور ﷺ کی عزت واحترام کو قائم رکھنے کے لئے اور آپ ﷺ کی عزت وناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف استغاثہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ خاکسار نے پوری خاموشی کے ساتھ ان کے اس فیصلے کو سنا مگر آپؒ نے اپنی خاص کرم نوازی سے خاکسار کو کہا کہ بدو صاحب آپ کیوں نہیں بولتے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ مجلس مشاورت کے معززین کے احترام کا تقاضا ہے کہ میں کچھ نہ بولوں۔ مگر آپؒ نے اصرار فرمایا کہ آپ کو بولنا پڑے گا۔ خاکسار نے ان کی اور

ان کی بلائی ہوئی محفل کا احترام کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا ان بزرگوں اور علمائے کرام نے اس ملعون کتاب کا پوری طرح سے مطالعہ فرما لیا ہے؟ ہندوؤں کی ملعون جماعت کے ملعون نمائندے نے اس کتاب میں بھی بڑی فریب کاری کی ہے۔ کیونکہ اس اس کتاب میں تمام حوالہ جات مسلمانوں کی کتابوں سے دیئے ہیں اور استغاثہ میں آپ بزرگوں کی طرح باقی تین جماعتوں کو جو قانونی طور پر مسلمان کہلاتی ہیں ان کے نمائندوں کے دستخط بھی ہونا چاہئیں۔ ورنہ وہ سرمایہ دار ہندو قوم ان جماعتوں کے مسلمانوں کو صفائی کے طور پر شہادت پیش نہ کر دیں۔ اس پر علمائے کرام کچھ ناراض ہوئے کہ ہم تو ان مسلمانوں کافر سمجھتے ہیں خاکسار نے عرض کیا کہ وہ بھی آپ کو کافر سمجھتے ہیں اور یہاں جو اہل حدیث' دیوبندیوں' بریلویوں اور شیعوں کی طرف سے نمائندہ کے طور پر موجود ہیں۔ ان کے خود ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے موجود ہیں۔ آپؒ نے مجھے حکم دیا کہ ابھی استغاثہ ان بزرگوں کے مشورے سے تیار ہوتا ہے جس پر ان کے دستخط ہوں گے آپ ان جماعتوں کے نمائندوں کے دستخط خود کرائیں۔ خاکسار نے ہامی بھر لی' چنانچہ خاکسار نے اس تیار شدہ استغاثے پر لاہوری جماعت کے امیر مولانا محمد علی اور قادیانی جماعت کے مرزا بشیر الدین اور چکڑالوی جماعت کے مولانا چشمت علی سے بڑی آسانی سے دستخط کروائے۔ اس طرح استغاثہ مکمل ہو کر اس دور کے مروجہ طریق کار کے مطابق مسٹر فیل بوتھ (اینگلو انڈین) مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ دائر ہونے کے بعد اس استغاثے کے بارے میں کئی دفعہ شرف باریابی حاصل ہوا۔ اور وہ حضور اکرم کی محبت میں پوری طرح مست ہو کر زار و قطار روتے تھے۔ میں نے عرض کیا'' آپ غیر معصوم بزرگوں کی تحریروں سے متاثر ہو کر کب تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ یہ تو آوے کا آوا ہی خراب ہے۔ آپ کا فرض تھا جو اس ملعون مصنف کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اب فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے اور معجز نمائی کرنا خدا کا کام ہے''۔ استغاثے کی طرف سے شیخ محمد نصیب ایڈووکیٹ کو منتخب کیا گیا۔ آپؒ کے حکم اور اصرار پر خاکسار نے عرض کیا کہ وکیل صاحب کا دل بھی حضور کی عزت و احترام سے بھرا ہوا ہے۔ ملعون راجپال نے اپنی صفائی کا بیان دیتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے اس کتاب میں تو اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ مسلمانوں کی مستند کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اور صفائی کے گواہوں کی فہرست پیش کی جن میں سب سے زیادہ معزز گواہ اس نے پنڈت رام چندر دہلوی کو بنایا اس کے لاہور اسٹیشن پہنچنے پر ہندو زعما نے اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا دوسرے دن اس کی شہادت ہونی تھی۔ شیخ محمد نصیب صاحب گورداسپوی نے علامہ رحمۃ اللہ کے حکم کے مطابق رات کا بیشتر حصہ اس مقدمے کی روئیداد کے بڑے بڑے حصوں کو میرے سامنے پیش کرنے میں گزارا اور صفائی کے گواہوں پر جرح کرنے کے وجوہ دریافت کئے خاکسار نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کے عشق میں مست ہو کر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے اس عشق و محبت کو قائم رکھے لیکن جرح کے وجوہ تو صفائی کی شہادتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ پہلے ہی کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ دوسرے دن شیخ محمد نصیب صاحب کے ساتھ خاکسار بھی اجازت لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے اپنی روٹین کے مطابق کارروائی شروع کی۔ پنڈت رام چندر نے شہادت شروع کرنے سے قبل اپنے

تعارف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے خاکسار نے ان کو چٹ پر لکھ کر یہ سوال دیا کہ آپ بتائیں کہ تمام مسلمان فرقوں کی مستند مسلم کتاب کون سی ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے اس زبان سے عدالت کے سامنے یہ لفظ نکلوا دیا کہ تمام فرقوں کی مستند کتاب قرآن ہے اور عدالت نے یہ الفاظ ریکارڈ کر لئے ضمنی سوالات شیخ محمد نصیب صاحب کی طرف سے میں نے چٹ لکھ کر یہ کروائے کہ مسلمانوں کی مستند کتابیں تو بہت سی ہیں جن میں سے بعض کے حوالے رنگیلا رسول میں موجود ہیں۔ لیکن دوسرے فرقے انہیں مستند نہیں مانتے تمام فرقوں کی مستند کتاب صرف قرآن ہے عدالت نے یہ جواب بھی ریکارڈ کر لیا۔ تیسرا یہ سوال چٹ پر لکھ کر ان کے حوالے کیا کہ یہ رنگیلا رسول اور یہ قرآن پاک ہے۔ آپ ثابت کریں کہ اس مستند کتاب میں یہ لغو اور لچر باتیں موجود ہیں۔ پھر بھی اس کی زبان سے خدا نے نکلوا دیا کہ اس کی پہلی سطر سے آخری سطر تک کسی آیت میں ان الزامات میں سے کسی ایک الزام کا بھی ذکر نہیں۔ خدا کی اس معجز نمائی کے نتیجے میں عدالت نے راج پال کو مجرم قرار دیا اور چھ ماہ کی سزا دی یہ تھا ایک ملاقات کا پس منظر۔

دوسرے دن جہاں ہندو اخباروں نے اس فیصلے کو شائع کیا۔ وہاں خاکسار کے خلاف جو کچھ وہ لکھ سکتے تھے انہوں نے لکھا وہاں مسلمانوں میں سے محترم سید حبیب صاحب نے اپنے اخبار سیاست میں بھی مجھ پر اپنی کرم نوازی کے پھول برسانے میں کمی نہ کی اور خاکسار کو چکڑالوی کے لقب سے نوازا۔ چنانچہ یہ زریں اخبار علامہؒ کے مطالعہ میں آیا۔ تو آپ نے اپنے معزز نمائندے کے ذریعے مجھے کہلا بھیجا اور اس فیصلے پر ان کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی تھی۔ سید صاحب کی گل فشانی اور ذرہ نوازی پر فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حق گوئی کے بدلے میں بیگانوں نے بڑھ کر اپنے لعنت کے تیر برساتے ہیں۔ دستور کے مطابق ان فریب کار سرمایہ دار ہندوؤں کے ایجنٹ کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اور غیر مسلم بنچ نے راج پال کو بری کر دیا۔ اس کے بری ہونے پر پھر ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ اس دوران میں ایک غریب طبقے کے مسلمان نے حضور ﷺ کی عزت و احترام سے بھرپور ہو کر ملعون راج پال کو دن دہاڑے اس کی دکان پر قتل کر دیا۔ اس نوجوان کا نام علم الدین تھا۔ چالان ہوا مگر وہ عاشق رسول ﷺ ابتدائی عدالت سے لے کر عدالت عالیہ تک راج پال کے قتل کے الزام کو صحیح تسلیم کرتا رہا۔ نہ اپنے بے سہارا رشتہ داروں کی بے چارگی سے متاثر ہوا اور نہ اکابر سے اکابر ترین وزرا کے مشوروں کی پروا کی۔ بالآخر 1929ء میں میانوالی جیل میں پھانسی کی شکل میں سزا پائی مسلمانوں کا اصرار تھا کہ اس کی لاش کو لاہور لایا جائے۔ مگر پنجاب کی سرکار کو نقض امن کا شدید ترین خطرہ تھا مگر سر میاں شفیع مرحوم نے اپنی ذاتی ضمانت کی بنا پر گورنر کے دل میں جو خطرہ تھا اسے دور کر دیا اور وہ اپنی اس ذاتی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ شہید علم الدین کی میت پوری شان و شوکت اور عزت و احترام اور پورے امن و امان کے ساتھ قبرستان میانی میں دفن کر دی جو اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔

(7) علم الدین شہید کی تدفین کے بعد علامہ اقبالؒ نے اپنے تاریخی خطبات کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں کئی بار خاکسار کو نہ صرف اپنی ملاقات کا شرف بخشا بلکہ ان کے بعض حصے منانے سے بھی عزت افزائی فرمائی اور حضرت امام اعظمؒ کے

طریق استحسان کی کچھ تفصیلات' ماہیت' کیفیت' کمیت اور حالات کا جو ہمیشہ بدلتے رہتے۔ کوئی متعین ضابطہ نہیں مقرر فرمایا مثال کے طور پر آپ (سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر:40) ملاحظہ فرمائیں اور اس کے ساتھ مجلس شوریٰ کو ہر دور میں بدلے ہوئے حالات کے ماتحت قائم رکھنے کا حکم دیا (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر:38، پارہ:25، رکوع:5 اور سورۃ نمبر:3 کی آیت نمبر:158، پارہ:4، رکوع:8) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں بے حد دیانت دار اور قرآن شناس مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کا حکم دیا اور جنگ بدر سے لے کر حجۃ الوداع تک اس معزز مجلس شوریٰ سے مشورہ لیتے رہے اور ان کی بار بار شاباش لینے سے خاکسار کو اپنی تعلیم کو اور زیادہ مکمل کرنے کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں کے علاوہ اہم ترین ملاقات وہ ہے۔ جو اشاعت اسلام کالج کے نام سے انجمن جماعت اسلام کی تاریخ میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ وائسرائے کی کونسل کے معزز ممبر سید غلام بھیک نیرنگ نے شدھی ارسنگھٹن کی تحریک کو بے اثر بنانے کے لئے تبلیغ کی ایک انجمن انبالہ میں قائم کی اور علامہ کے سامنے عرض کیا کہ ان قدیم درس گاہوں کے سند یافتہ لوگ اس مردود تحریک یعنی شدھی کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس تحریک کے ہشیار پنڈتوں نے رنگیلا رسول ایسی ملعون کتابیں جو لکھی تھیں اور یورپ کے مستشرقین نے جو دل آزار کتابیں لکھی تھیں ان سے کام لے کر ان کی پیش کی گئی ہوئی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ انہیں تسلیم کر کے قسم قسم کی تاویلیں کرتے ہیں۔ جو الٹا عام مسلمانوں کے شکوک میں اضافے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان کی انجمن کے دل خراش نتائج سن کر ان سے اشاعت اسلام کالج قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور انجمن حمایت اسلام کے معزز اراکین کو اس پر آمادہ کیا اور خاکسار کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ جن آیتوں کی آڑ میں ہمارے مفسرین نے احادیث جمع کی ہیں۔ جن کی آڑ لے کر غیر مسلم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے قرآن سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ اشاعت اسلام کالج کے ایک اعزازی وائس پرنسپل کی حیثیت سے اپنا درس انہیں آیتوں میں محدود کرو اور ان احادیث کے متعلق طلبہ کو صحیح اور تسلی بخش جواب دینے کی تربیت دو۔ چنانچہ 1932ء میں وہ کالج قائم ہو گیا۔ جو قرارداد پاکستان کے بعد تقریباً 1944ء تک جاری رہا 44-1943ء میں اس کالج کو انجمن نے بند کر دیا۔ اس کالج میں بڑے اچھے ذہین طلبہ داخل ہوئے جو جدید تعلیم کی رو سے کم از کم فرسٹ ڈویژن میٹرک پاس ہوتے تھے۔ ان کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ ان میں سے مرزا عبدالحمید مرحوم جو پاکستان بننے کے بعد اوکاڑہ کالج کے پرنسپل ہوئے اور صدر ایوب خان کے دور میں ان کے مذہبی مشیر رہے دوسرے مولانا عبدالستار نیازی جو اب تک اللہ کے فضل وکرم سے موجود ہیں۔ اسی طرح دوسرے بزرگ بھی تھے۔ اس کالج کے اس وقت پرنسپل حضرت یوسف سلیم چشتی تھے۔ جنہیں نے بعد میں مولوی فاضل کی سند پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی یہ بھی خدا کے فضل وکرم سے اب تک زندہ ہیں اس سلسلے میں میں نے اس سات سال میں نہ صرف غیر مسلموں کا لٹریچر بلکہ اپنے بڑے بڑے مفسرین کرام کی اردو' فارسی اور عربی میں تفسیریں بھی دیکھیں اور مشہور مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم اور مرزا غلام احمد قادیانی کا وہ لٹریچر بھی پورے غور کے ساتھ دیکھا جو انہوں نے گستاخ پادریوں اور پنڈتوں کے جواب میں لکھا تھا۔ خاکسار نے ان تمام آیات کا جو خاکسار کی

نظر میں صحیح ترجمہ تھا وہ بیان کر دیا اور قابل صد احترام مفسرین نے ان کے متعلق جو گل فشانیاں فرمائی تھیں ان کے وہ پھول ان کی قبروں میں دفنا دیئے اور یہی کہا کہ خدا تمہاری مغفرت کرے۔ نمونے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سیرت نگاروں نے جو ہولناک واقعہ درج فرمایا ہے۔ اور جسکی آڑ لے کر غیر مسلموں نے جو بکواس کرنی تھی وہ سب کی۔ اس واقعہ کا نام ''امک'' ہے ہمارے بزرگوں نے (سورۃ سباء، آیت نمبر: 11 تا 26) ان سولہ آیات کے ذیل میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ لیکن میں نے ان بزرگوں کو خود یہ ہولناک واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھا کہ زار و قطار رو رہے تھے۔ خاکسار نے اشاعت اسلام کالج کے سامنے اور پھر علامہ اقبالؒ کے روبرو ان سولہ آیتوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ ان میں سے کون سی آیت ہے جس کا اس واقعہ حائلہ سے ہے۔ ان آیتوں میں نہ اس جنگ کا ذکر ہے۔ جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس جنگ میں پیش آیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تو کجا امہات المومنین میں سے کسی کا ذکر تک نہیں' ہاں؛ گیارھویں آیت میں لفظ ''امک'' کا ذکر ہے لیکن امک کا لفظ کوئی اسی آیت سے مخصوص نہیں ہے اور بھی کئی جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جو اپنی ستارہ پرست قوم کے ساتھ مذاکرہ کیا اس مذاکرے میں بھی اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ جو کہ ان جھوٹے معبودوں اور من گھڑت فرضی داستانوں کی وجہ سے پوجے جاتے تھے۔ انہیں بھی' امک، کہا ہے۔) سورۃ الصّٰفت آیت نمبر: 86 پارہ 23، رکوع: 7) اسی لفظ کے متعلقات' افاک' من گھڑت جھوٹی خبریں گھڑنے والے کو کہا ہے اور وہ بستیاں جو ایک ناقابل ذکر بے حیائی اور بدکاری کی من گھڑت خبروں کی وجہ سے الٹا دی گئی تھیں۔ ان کو موتفکات' کہا گیا ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر: 60 پارہ: 10، رکوع: 15) اسی لفظ کا مضارع اور ماضی مجہول کی شکل میں قرآن میں استعمال ہوا ہے گو ان لوگوں کو کہا گیا ہے۔ جو اپنے من گھڑت عقائد کی وجہ سے قرآنی ہدایات سے منحرف ہو کر ان ہدایات کو پیش کرنے والوں کے لئے ہے۔ یہ لفظ کوئی زنا کی تہمت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ (سورۃ الذاریات، آیت نمبر: 9، پارہ: 26، رکوع: 18) اور اسی (سورۃ سبآء، آیت نمبر: 22، پارہ: 18، رکوع: 8) میں یہ اعلان فرمایا کہ اس قسم کے لغو لچر اور بے ہودہ باتیں سنتے ہی کہہ دینا یہ من گھڑت جھوٹ ہے اور سورۃ نمبر: 13 میں اعلان فرمایا کہ اس قسم کی غلط بیانیوں اور من گھڑت باتوں کے ثبوت میں جب تک وہ مکار فریب کار لوگ عدالت میں حاضر ہو کر شہادت نہ پیش کر سکیں تو انہیں بہتان تراشی کی سزا ملنی چاہیے۔ ورنہ وہ خدا کے قانون کی نظر میں جھوٹے ہیں۔ اسی کا تذکرہ اسی سورۃ کے ساتویں رکوع کی آیت 4 میں اس کو سنگین جرم قرار دیا۔ اور (80) اسی کوڑوں کی سزا مقرر کی اور یہ بھی اعلان فرما دیا کہ ایسے لوگوں کی کسی دوسرے مقدمے میں بھی شہادت قبول نہ کی جائے اور اسی سورۃ کی آیت نمبر: 16 میں اعلان فرمایا کہ جس خبر کی معصوم نبی' معصوم قرآن اور معصوم قرآن بھیجنے والے خدا پر زد پڑتی ہو۔ اور ان کی عصمت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہوں' مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہیں ایسی لچر خبر سنتے ہی بغیر کسی تفتیش کے یہ کہہ دینا چاہیے۔ ''ہذا بہتان عظیم'' اور تمہیں اسے آگے نہیں پھیلانا چاہیے' لہٰذا' افک کے مسئلے کی بنیاد ہی غلط ہے نہ لغت اس کی تائید کرتی ہے نہ قرآن۔

نمونے کے طور پر ایک حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن کی آخری دو سورتوں کو مفسرین کرام نے عموماً صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث کی آڑ لے کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ پر ایک یہودی نے بہت بڑا جادو کیا۔ جس سے آپ ﷺ مسحور ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ خاکم بدہن اس جادو سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ خیال کرنے تھے کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا یا خاکم بدہن آپ جادو زدہ ہو کر اس یہودی کے جادو سے متاثر ہو کر یہ خیال فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے فلاں کام نہیں کیا حالانکہ وہ کام آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے سامنے کیا ہوا ہوتا تھا اور اسی کارکردگی سے غلامان محمد ﷺ کے دلوں میں آپ کی بے پناہ الفت پیدا کرنے کے لئے ان دونوں سورتوں کو جو حقیقت میں مکی ہیں مدنی بنا کر پیش کیا۔ حالانکہ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں کے لگائے ہوئے الزاموں کی تردید کی۔ اسی طرح یہ تردید بھی فرمائی آپ ﷺ نہ ساحر تھے نہ مسحور۔ ان کی ان الزام تراشیوں سے قرآن بھرا پڑا ہے (سورۃ الفرقان، آیت نمبر: 8، پارہ: 18، رکوع: 16 و سورۃ نمبر: 17، آیت نمبر: 46، پارہ: 15، رکوع: 5)

قرآن حکیم میں اس قسم کی جتنی آیات ہیں جن کی علامہ اقبالؒ نے نشان دہی کی یا طلبہ نے مفسرین کی تفسیریں پڑھ کر اپنے شکوک کا اظہار فرمایا اور خاکسار نے ان تمام شکوک کا ازالہ کیا' علامہ اقبالؒ اس سے بے حد خوش ہوئے اس سلسلے میں ہمیشہ طلبہ اور پرنسپل صاحب بڑی عقیدت مندی سے ان سے ہر روز ملتے تھے اور آپ کی محفل میں اسی موضوع پر بحثیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ (سورۃ عبس، آیت نمبر: 1 تا 12) قرآن کریم کو منگوا کر اور سامنے رکھ کر ان کا ترجمہ فرما کر حکم دیا کہ ان کے مشہور ترجموں اور تفسیروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم روسائے قریش کو پیغام خداوندی پہنچا رہے تھے۔ تو اتنے میں ابن ام مکتوم آ گئے اور انہوں نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہا جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناپسند کیا۔ خاکم بدہن خدا تعالیٰ نے اس ناپسندیدگی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ خاکسار نے عرض کیا۔ اس سورۃ کی آیتوں میں سے چند آیتوں میں ضمیر غائب کا مرجع مفسرین نے حضور ﷺ کی ذات گرامی کو بنا دیا اور پھر جو ان میں خطابات کے صیغے ہیں۔ ان کا مخاطب حضور ﷺ بنا دیا تو قصہ بن گیا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ بتائیں کہ اس سورۃ کی کسی آیت میں حضور کے نام یا لقب کا تذکرہ ہے۔ فرمایا کہ نہیں تو خاکسار نے عرض کی کیا کہ پھر حضور ﷺ کو اس کا مصداق کس دلیل پر ٹھہرایا گیا برا منایا منہ پھیر لیا۔ آخر کس سے؟ دراصل ان غائب ضمیروں کا مرجع (سورۃ الحاقۃ، آیت نمبر: 38۔37۔43 و 46) دین فروش اور زر پرست انسانوں کا تذکرہ ہے اور یہ غائب ضمیریں انہیں شخصوں کی طرف جاتی ہیں ایسے لوگ بے کس مزدوروں جو حق کی تلاش میں ان کے پاس آتے ہیں۔ ان کا آنا ان کو یعنی روسا کو ناگوار گزرتا تھا اور مخاطب بھی وہی ہیں اور ان میں عبوس تولی' تصدی اور تلہی کے جو افعال آئے ہیں۔ حضور ﷺ تو نسل انسانی کو ان قبیح افعال سے روکتے ہیں اور خاکم بدہن یہی افعال آپ ﷺ میں موجود تھے' عبوس' کے معنی ہیں ترشروئی' سختی سے پیش آنا' تولی کے معنی روگردانی' منہ موڑنا' تصدی' لایعنی بات کرنا اور تلہی کسی کا مذاق اڑانا' فعل کو دیکھ کر فاعل متعین کیا جاتا ہے۔ یہ افعال تو حضور ﷺ کے دشمنوں اور کافروں کے تھے۔ جنہیں حضور ﷺ روکنے کے لیے آئے

تھے۔ چنانچہ بدترین کافروں کے اوصاف یہ بیان کئے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو سن کر شیوریاں چڑھاتے ہیں اور پھر پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ اور اپنے تکبر میں مست ہو کر حق پرستوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں (سورۃ المدثر، آیت نمبر: 23-22، پارہ: 29 ،رکوع:15) خاکسار نے عرض کیا اس کی تفسیر ہمارے ایک پنجابی شاعر نے کی ہے۔

جتھے ویکھن چنگا چوکھا پڑھن کلام سوائی ہو
جتھے ویکھن دال تے روٹی حرف نہ آوے کائی ہو

❁❁❁❁

دوئیں جہاناں مٹھے باہو جنہاں ویچ کھادی کمائی ہو

خاکسار نے گزارش کی کہ انہیں گیارہ آیتوں کے بعد بارھویں آیت میں فرمایا کہ تمہیں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے یہ میری انمٹ ہدایتیں اور ناقابل تردید صداقتیں نسل انسانی کے لئے بڑی عظیم الشان نصیحتیں ہیں، غریب امیر جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں انہیں یکساں مواقع حاصل ہیں۔ پھر ہمارے بزرگوں نے حضرت ابن ام مکتوم کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے ان کے نابینا ہونے کا عذر پیش کیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور ﷺ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ گفتگو سننے کا تعلق آنکھوں سے نہیں۔ ان بزرگوں کو چاہیے کہ ان کے نابینا ہونے پر زور نہ دیتے بلکہ ان کے بہرہ ہونے پر زور دیتے۔ اس گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔

(8) سرکار دو عالم ﷺ کی بے مثل عصمت کے متعلق ڈاکٹر اقبالؒ کو معلومات بہت تھی۔ لیکن جب سید غلام بھیک نیرنگ مرحوم و مغفور انبالوی نے ہندوؤں کی جارحانہ تحریک شدھی کو خطرناک فتنہ ارتداد کی بدترین شکل میں دیکھا اور ہمہ تن اس کا مقابلہ کرنے کیلئے دعوت التبلیغ کے نام سے انبالہ میں میں انجمن قائم کی۔ اور چند مہینے پر خلوص کام کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوؤں کی جارحانہ شدھی کی بنیاد مفسرین، محدثین اور مورخین کو وہ غلط روایات ہیں جو قرآن کریم میں پیش کی ہوئی انمٹ صداقتوں اور ناقابل تردید حقائق سے تغافل برتتے ہوئے نہ صرف اپنی مصنفہ کتابوں میں درج کرلیں۔ بلکہ انہیں قرآن کی شکل میں پیش کیا اور نیرنگ صاحب کی مخلصانہ مساعی کو تقویت دینے کیلئے انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل کو اشاعت اسلام کالج کے نام پر ایک کالج قائم کرنے پر آمادہ کرلیا اس کالج کا اہم ترین موضوع یہی تھا کہ قرآن پاک کی جن آیتوں کے ذیل میں اس قسم کی روایتیں درج کی گئی ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام کے سمیت نہ تو وہ مصنفین کرام معصوم ہیں اور نہ حدیثوں کی روایت کرنے والے معصوم ہیں۔ بڑے سے بڑے راوی کی حیثیت محض ایک غیر معصوم شہادت کی ہے۔ اور ان غیر معصوم راویوں کی شہادت پر جن بزرگ مصنفین نے فیصلے فرمائے ہیں وہ بھی غیر معصوم ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی ناقابل تردید عصمت کا فیصلہ کیا ہے اور اسی قطعی عصمت کو ان کی نبوت اور رسالت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ چند مثالیں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

سورۃ العلق (96) کی پہلی تین آیتوں کو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے قرآن میں نازل ہوئیں۔ لیکن

ہمارے بڑے جلیل القدر بزرگوں نے ایک ایسی روایت کو اس کی تفسیر میں درج کر دیا کہ غار ثور میں جب جبرئیلؑ خدا کی طرف سے یہ پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے تو آپ ﷺ کی حالت معاذ اللہ اتنی غیر ہوئی کہ ہزاروں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے گھر پہنچے اور گھر والوں کو حکم دیا کہ مجھ پر لحاف ڈالو۔ میری حالت غیر ہوگئی۔ چنانچہ اس تبدیلی حالات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس زمانے کے ایک علم دوست ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کی تشخیص کے بعد آپ ﷺ کو اطمینان دلایا کہ آپ بیمار نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کو خدا نے اپنے کلام سے نوازا ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ کہ 96 (چھیانوے) نمبر سورۃ ان پانچ پہلی آیتوں میں کسی ہولناک خبر کا وجود نہیں۔

سورۃ الضحیٰ (93) میں کی ایک آیت نمبر سات اور آٹھ پہلے تو ہمارے بزرگوں نے یہ ترجمہ فرمایا اور حضور ﷺ کی عزت واحترام کا شرف حاصل کیا اور مسلمانوں کو خدا کی کرم نوازی سے آگاہ فرمایا۔ لیکن تیسری آیت کا ترجمہ یوں فرمایا کہ تو گمراہ تھا۔ تجھے سیدھی راہ پر میں نے لگایا اور تم تنگ دست تھے خدا نے تمہیں مالدار بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ لفظ ''ضال'' کو عربی زبان میں اور قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال کیا۔ کسی چیز کی محبت میں زیادہ منہمک ہونے کو بھی ''ضال'' کہتے ہیں اور کسی ضروری چیز سے بے خبر ہونے والے کو بھی ''ضال'' کہتے ہیں۔ اسی 93 نمبر کی سورت کی تیسری آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میری مدد سے تم کبھی محروم نہیں ہوگے اور نہ کبھی ناراض ہوگے۔ یہاں ایک سیدھی سادی چیز کو ایک کہانی کی شکل میں بیان فرمایا کہ حضور ﷺ دو تین رات بیمار ہوگئے۔ اور تہجد کیلئے مسجد حرام میں نہ جا سکے۔ ایک خبیث عورت نے کہا۔ (معاذ اللہ) جسے تم خدا کہتے ہو اس شیطان نے تمہاری حمایت چھوڑ دی ہے۔ حالانکہ تہجد کے لئے جاگنا، مسجد حرام میں نہ جانا، اور خدا کی ناراضگی میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ نہ قرآن کے نزول کے متعلق وہ یہ بکواس کر سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن تو وقفوں کے بعد اترا ہے۔ (سورۃ الفرقان، آیت نمبر:32، پارہ:19، رکوع پہلا)۔

علامہ اقبالؒ اشاعت اسلام کالج کے نصاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر بار بار اصرار فرماتے تھے نیرنگ صاحب کی رپورٹ سے قبل مستشرقین کی لکھی ہوئی کتابیں ازبر کئے ہوئے تھے۔ سید صاحب کی ناکامی نے جلتی پر تیل ڈال دیا خاکسار یہ معذرت کرتا ہوا کہ ان کے اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ خود مسلمانوں کی مستند کتابوں سے حرف گیری کے بغیر نجات مشکل ہے۔ اور جن کتابوں کی عدم موجودگی میں نہ صرف عربوں نے خدا کی انمٹ حقیقتوں کو رسول اکرم ﷺ کی پہلی چالیس سالہ زندگی کے آئینے میں دیکھ کر سمجھ لیا تھا اور عربوں کے سوا جو لوگ حق کے متلاشی تھے۔ انہوں نے بھی ان ناقابل تردید صداقتوں پر یقین کامل حاصل کر لیا تھا اور جس انمٹ مکمل مفصل کتاب کو دنیا کے سامنے پیش کیا اسے خود قرآن کریم نے بار بار ''الکتاب المبین'' کہا ہے اور اسی قرآن حکیم کا انمٹ ہدایتوں اور ناقابل تردید صداقتوں کو تبیان لکل شئ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد کونسی ناقابل حل مشکلات (خاکم بدہن) پیدا ہوگئیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری مرتب کرنے سے پہلے خود چھ لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جن میں سے ان کے اعتقاد کے مطابق روایتاً، قانوناً

ودرایت کی رو سے صحیح ترین روایتیں تکرار احادیث کو نظر انداز کرنے کے بعد تقریباً پانچ ہزار بمشکل بنتی ہیں۔ اسی قانون درایت کی اتباع کرتے ہوئے آپ کی زندگی ہی میں ان کی تعداد بڑھ گئی اور جو روایات کی تنقید کی بنیاد آپ نے رکھی تھی۔ اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور خوابوں اور کشفوں کے نام ان کی منتخب احادیث پر اپنی عقیدت مندی کی بناء پر کل روایات کی تنقید سے اجتناب کیا۔ جو صریحاً قرآن کریم کی امنٹ ہدایتوں کی ورشنی میں عام انسان کے خلاف نظر آتی ہیں اور مفسرین کرام نے محض عقیدت مندی کی بنا پر انہیں قرآن کریم کی تفسیر قرار دیا۔ ان عظیم ترین بزرگوں نے خود جن احادیث کو صحیح مانتے ہوئے ظنی قرار دیا تھا۔ الٹا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے جس قانون درایت کی رو سے ان اقوال وافعال کو محدثین نے حضور کی طرف یا صحابہ کرام کی طرف منسوب کئے یا نیکوکار تابعین کی طرف منسوب کئے تھے۔ کے پرکھنے کا معیار قرآن کریم کو قرار دیا تھا اور یہ اعلان فرمادیا تھا کہ گو ویسی بے ضرر احادیث جو حضور ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرامؓ کی طرف نسبت کی رو سے جن کو احادیث موقوفہ اور نیکوکار تابعین کی طرف منسوب کردہ کی وجہ سے احادیث مقطوعہ کہا جاسکتا ہے اور ان کی صحت تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن ان میں سے کوئی قرآن کی طرح یقینی نہیں ہے۔ الٹا امام اعظم پر برسنا شروع کر دیا اور ان پر ایسے اعتراضات کرنے شروع کر دیئے جن کے لکھنے سے بھی شرم آتی ہے۔

حالیؔ نے کیا خوب کہا ہے:

جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی

چنانچہ اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ایسی ناگفتہ بہ جرح وتنقید کی اگر کسی کو جرأت ہے تو وہ محدثین کرام میں سے خطیب بغدادی کی کتاب پڑھیں جو کئی جلدوں میں ہے اور حکم دیا کہ تم اپنا کام جلدی مکمل کرو۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں ایک ہفتے کے بعد حاضر ہو کر اس قسم کی تحریر پیش کی۔ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت' استعارات وکنایات جس کے سامنے بڑے بڑے فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ کرنے والوں کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اسے دوام بخشنے کے لئے خود قرآن کریم کی دس سورتوں کے برابر اپنا فصیح وبلیغ کلام پیش کریں اور جن مخالفین کی امداد کی توقع رکھتے ہیں ان سے بھی بھرپور امداد لیں ورنہ اس قسم کی افترا پردازیوں سے باز آجائیں۔ (سورۃ ھودؑ آیت نمبر: 13' 14، پارہ نمبر: 12' رکوع نمبر: 2) اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ قرآن کریم کے تمام مخالفین ایک دوسرے کے زبردست پشت پناہ ہو کر اپنی طرف سے ایسا فصیح وبلیغ کلام پیش کریں اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکیں گے (سورۃ بنی اسرائیلؑ' آیت نمبر: 88' پارہ: 15' رکوع: 10) قرآن کیرم کے ان اعلانوں کے سلسلے میں یہ اعلان بھی نوٹ کر لیں کہ تمام مخالفین قرآن پوری طاقت صرف کر کے بھی قرآن جیسی فصیح وبلیغ ایک سورۃ بھی پیش نہیں کر سکیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ ان دونوں کلاموں یعنی اس قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور تمہارے خود ساختہ فصیح وبلیغ کلام میں فیصلہ دینے کے لئے تم اپنی طرف ہی سے جج مقرر کر دو (سورۃ البقرہ' آیت نمبر: 23 پارہ ایک' رکوع: 3)

علامہ سکاکی ابویعقوب یوسف نے عربی زبان کی فصاحت وبلاغت کے سلسلے میں ان عرق ریزیوں سے کام لیا کہ ان کی

کتاب عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کی ایک معیاری کتاب ''المفتاح'' کے نام سے دنیا میں موجود ہے۔ اس کتاب کو کچھ اختصار کے ساتھ علامہ محمد بن عبدالرحمن قزوینی جامعہ دمشق کے خطیب نے تلخیص کے نام سے کتاب لکھی جس کی دو بڑی شرحیں علامہ تفتازانی (متوفی 791ھ) نے لکھیں۔ جن میں سے ایک مولوں عالم کے نصاب میں مختصر المعانی اور دوسری شرح المطول جو مولوی فاضل کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کتب ''تلخیص المفتاح'' میں فصاحت و بلاغت کے کئی مسائل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ کیا فصیح و بلیغ عربی زبان خصوصاً قرآن کریم جیسا بے مثل فصیح و بلیغ کلام الہیٰ' مجاز لغوی اور مجاز عقلی' کلام کی فصاحت اور بلاغت میں اضافہ کا موجب ہے اور یہ مجاز و استعارہ' کنایہ تشبیہہ اس کلام کی فصاحت کو چار چاند لگاتا ہے۔ اعجاز العقلی فی القرآن کثیر۔ ہاں اس فعل میں مجاز عقلی کے لئے ضروری ہے۔ جو ظاہری نسبت روکنے کا موجب ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ قرینہ اس متکلم کے کلام میں خود موجود ہوتا ہے جسے قرینہ لفظیہ کہتے ہیں اور کبھی وہ قرینہ معنوی بھی ہوتا ہے۔ جب اس فعل کی نسبت اس فاعل کی طرف عقلاً' عادتاً اور شرعاً محال ہے۔ (مختصر المعانی ص:31 مطبوعہ کانپور)

''کن''، تلخیص المفتاح کے مسائل میں سے ایک مسئلہ صنعت التفات ہے۔ کسی چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے کلام میں ایک جگہ تو غائب قرار دیا جائے۔ پھر اسی کلام میں اسے متکلم یا مخاطب بنایا جائے' یہ التفات' ہے مثلاً سورۃ فاتحہ کی پہلی تین آیتوں پر آپ غور کریں۔ جن میں خدا تعالیٰ کا تذکرہ غائب میں ہے۔ چوتھی آیت میں مخاطب اور پانچویں میں مخاطب اس کا نام' صفت التفات' ہے اور (سورۃ یونس' آیت نمبر:22' پارہ:11' رکوع:8) میں آپ دیکھیں گے کہ پہلے اور دوسرے جملے میں انسانوں کو مخاطب بنایا گیا ہے اور تیسرے جملے میں غائب اور (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 57' پارہ:8' رکوع:14) (مختصر المعانی 64 مطبوعہ کانپور) ان مباحث میں خطاب کے متعلق ہے۔ تعریفی خطاب' اصل مخاطب میں ہیں۔ لیکن فتنے سے بچنے کیلئے مخاطب دوسرے کو بنا رہا ہوں۔

خطاب کی حقیقی صورت یہ ہے کہ ایک فرد مخاطب ہو تو اس کے لئے واحد کا لفظ مخصوص ہو' اور اگر جماعت مخاطب ہو' تو اس کیلئے جمع کا لفظ مخصوص ہو' لیکن تشبیہ ''واستعارۃ'' تعریضاً اور کنایۃً فصحا و بلغا کے کلام میں اس کا الٹ بھی ہوتا ہے۔ بظاہر ایک شخص مخاطب بنایا جا سکتا ہے لیکن جماعت کا ہر فرد اس کا مخاطب ہوتا ہے (مختصر المعانی 36) اور بسا اوقات سادہ لوح انسان جس کو مخاطب سمجھتا ہے۔ وہ متکلم کے نزدیک مخاطب ہی نہیں ہوتا۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ الانعام' آیت:35 پارہ:7' رکوع:10) اس دور کے عربوں کو کبھی وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے مخاطب سرور کائنات ﷺ ہیں بلکہ وہ پوری نسل انسانی ہے۔ جو انمٹ ہدایات خداوندی کا انکار کر رہی ہے اور (سورۃ یونس، پارہ گیارہ' رکوع:15 آیت نمبر:94،95) میں ہے۔ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ خطاب واحد ہے اور مخاطب جماعت ہے۔ جس جماعت کے دل میں ہزاروں شکوک اور شبہات بھرے ہوئے تھے فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ ان سے پوچھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے تھے۔ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ پہنچ گئی ہیں تمہارے سامنے حق خدا کی انمٹ حقیقتیں اور ناقابل تردید صداقتیں فَلَا

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ تمہیں شک کرنے والوں میں سے کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ کی آئتوں کو جھٹلانے والے مت بنو فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ آٹھ کے آٹھ خطاب نسل انسانی کو ہیں۔ جو ان ہدایت خداوندی کے شکوک میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ مخاطب نہیں اس سے نسل انسانی مخاطب ہے اگر حضور کو خاکم بدہن مخاطب سمجھا جائے تو یہ صریح کفر ہے اس قسم کے خطابات سے مستشرقین کو یہود کو نصاریٰ کو ہنود کو اور غیر مسلموں کو حضور ﷺ کے خلاف دلائل کے طور پر پیش کیا گیا' چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اسی سورۃ یونس کی 104 (ایک سو چار) آیت میں اس شکل میں پیش کیا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ اس آیت میں یہ واضح کر دیا کہ تم مخاطب ہو میں نہیں ہوں۔ اس سے مخاطب بگڑی ہوئی نسل انسانی ہے اور پہلے آٹھ خطابوں کی طرح ان واحد خطابوں کا مخاطب بھی بگڑی ہوئی نسل انسانی ہے۔ جیسا مہا گیا۔ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۠ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو تم قیامت کے دن ظالموں کے زمرے سے اٹھو گے پھر اسی سورۃ یونس کی 108 (ایک سو آٹھ) نمبر آیت میں یوں خطاب فرمایا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ اے بگڑی ہوئی نسل انسانی انمٹ صداقتیں اور نا قابل تردید حقیقتیں تم کو پہنچا دی گئیں۔

جب میں نے یہ رابطے علامہ صاحب کو سنائے تو انہوں نے اس خاکسار کو اپنے سینے سے لگا کر دعا کی۔ اللہ اس نوجوان کو اس سیدھی راہ پر قائم رکھ۔

(9) حضرت علامہ اقبالؒ کو مبلغین کے لئے ایک ایسا نصاب مرتب کرنے کا عشق تھا کہ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کی پیش کردہ آیتوں کی آڑ نے حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راج پال کی طرح دریدہ دہنی کا موقع نہ ملے۔ اس لئے خاکسار کو بار بار یاد فرماتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات اپنے مخلص احباب کی موجودگی میں فرضی طور پر معترض بن کر اعتراضات فرماتے تھے اور جواب کی فرمائش کرتے تھے۔ ایک دن اپنا خاص نمائندہ بھیج کر یاد فرمایا اور پہلا یہ اعتراض فرمایا جو (سورۃ عبس' آیت نمبر: 1-11' پارہ تیس' رکوع پہلا) کہ تم نے جو کسی گزشتہ محفل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ آیت نمبر ایک اور دو وغیرہ میں غائب ضمیروں کا مرجع حضور ﷺ کی ذات گرامی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مرجع (سورۃ الحاقۃ کی آیت: 37' 38' 43' 44) میں مذکور ہے۔ جس سے نہایت مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ دین فروش' زر پرست زراندوز مذہبی پیشوا ہیں۔ اور جن کے دل خوف خدا سے خالی ہیں۔ آج محفل میں تمہارا مزید امتحان لینا چاہتا ہوں کہ آیت نمبر تین چھ سات آٹھ تو دس میں مخاطب کون ہے؟ خاکسار نے ان کے جواب میں عرض کیا کہ قرآنی فصاحت اور بلاغت کے مسلمہ اصولوں میں ایک ضابطہ ''صنعت التفات'' ہے۔ اسی ضابطے کے ماتحت وہ گمراہ کن مذہبی پیشوا ہی مخاطب ہیں۔ جس کی تائید آیت گیارہ' بارہ سے ہوتی ہے آیت گیارہ کیا ہے؟ کل تمہیں ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ تمہیں جو انمٹ ہدایتیں میری طرف سے دی جاتی ہیں۔ انہیں دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے سامنے بھی ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے پیش کرنی چاہئیں انہیں قبول کرنا' ان کی

تعمیل کرنا اور دوسروں کو ان کی تبلیغ کرنا۔ یہ ان کا فعل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس صنعت کو فصاحت و بلاغت کے ان مسلمہ ضابطوں کو جس بزرگ نے عمدہ ترتیب سے مرتب فرمایا۔ اس بزرگ کا نام کسی گذشتہ محفل میں علامہ سکا کی کہا گیا ہے۔ اس علمی محفل میں تم بتاؤ کہ اس کا نام نامی کیا تھا؟ اور کس سنہ میں اس کی وفات ہوئی؟ خاکسار نے عرض کیا کہ ان کا نام نامی یوسف بن محمدؒ کنیت یعقوب اور لقب سراج الدین اور 522 ہجری میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ اس مقدس محفل کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سورۃ التحریم کی ابتدائی پانچ آیتوں کا تم کیا مطلب سمجھے ہو؟ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ کی محفل میں جو علمائے کرام موجود ہیں۔ پہلے ان سے آپؒ دریافت فرمالیں۔ کہیں خاکسار کے الفاظ ان کو ناگوار نہ گزریں کہ ہمارے دور میں بزرگ محدثین تو کیا؟ مورخین پر اپنی خوش فہمی سے اتنا اعتماد قائم ہو چکا ہے کہ انہیں ہر وقت انہیں کی عصمت کا وعظ فرمانا پڑتا ہے۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی بزرگ تر صحابی تابعی اور کسی محدث اور فقیہہ کی عصمت کا نہ کسی نے دعویٰ کیا ہے نہ کوئی دعویٰ کر سکتا ہے۔ ان روایتوں کے راویوں کی روایت کی صحت پر جن بزرگ ائمہ کرام نے ان کی روایات کی صحت کا دعویٰ کیا ہے ان کے متعلق بھی صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ غیر معصوم بزرگوں کا ایک فیصلہ ہے۔ خاکسار کی اس گزارش کو سننے کے بعد آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ ان بزرگوں کے خیالات میں کئی دنوں سے سن چکا ہوں۔ اور ان لوگوں کے مقدس پیشواؤں کی کتابوں کا مطالعہ بھی کر چکا ہوں۔ تم اپنے خیالات کا اظہار کرو۔ آیت نمبر: 1 میں یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ کے لفظ سے افتتاح فرمایا جو واحد مذکر مخاطب کی شکل میں ہے۔ خطاب کیا ہے؟ ان کا مخاطب کون ہے خاکسار نے عرض کیا کہ ہمارے کثر بزرگوں نے اس کا مخاطب بھی حضور ﷺ کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن میری ناقص رائے یہی ہے کہ اس کے مخاطب حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اور حضور کی امت کا ایک حصہ اس قبیح فعل کا صبح و شام مرتکب ہوتا ہے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ کو قرآن کریم نے ہر حالت میں قبیح فعل ٹھہرایا ہے۔ یا یہ کہ دوسرے شخص کو خوش کرنے کی خاطر اس کا دائرہ فقط الفاظ تک محدود ہو وہ بھی قبیح فعل ہے اور فقہائے کرام اور محدثین عظام جسے قسم ٹھہراتے ہیں مگر اس قسم ٹھہرانے سے وہ چیز حسین نہیں وہ سکتی۔ قبیح ہی رہے گی اور اس قسم کی بے ہودہ قسم کی توڑنے کا قرآن بھی حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں (سورۃ البقرہ، آیت نمبر: 224، پارہ: 2، رکوع: 12) یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرے نام پر قسم کھا کر نیک ترین کاموں کا سلسلہ مت روکو اور (سورۃ البقرہ، آیت نمبر: 226) میں عربوں کی ایک ایسی رسم ہے، جسے وہ۔۔۔۔۔ کہتے تھے اور جتنی دیر تک چاہتے تھے۔ ازدواجی زندگی کے حقوق خدا کی قسم کھا کر بند کر دیتے تھے اسے روکا اور آیت نمبر: 227 میں اعلان کیا کہ ازدواجی زندگی کے بگڑے ہوئے حالات کسی قسم کی اصلاح کے قابل نہیں رہے تو جس طرح ایک مجمع عام میں ازدواجی زندگی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ اسی طرح اسے طلاق دے کر توڑ دو۔ اور اسی سورۃ کی آیت نمبر: 231 میں اس بدترین زیادتی اور ظالمانہ فعل اور ہدایت خداوندی کو ہنسی اور مذاق قرار دیا اور (سورۃ نمبر المائدہ، آیت نمبر: 87، پارہ سات، رکوع: 2) میں یہ واضح سے واضح تر اعلان فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ جو میں

حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرنا۔ اور اسی سورۃ کی آیت نمبر: 89 میں قسم توڑ کر کفارہ دینے کا حکم دیا۔ اس لئے اس آیت میں امت ہی مخاطب ہے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی جہاں میں خبیث افعال سے روکنے کیلئے آئی وہاں پاکیزہ ترین چیزوں کو حلال ٹھہرانے کیلئے آئی۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 157، پارہ: 9، رکوع: 9) اس لئے اس فعل کو کسی معنی میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بھی دیکھنے کے قابل چیز ہے تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط کا کسی شکل میں حضور کو مخاطب نہیں بنایا جا سکتا اور وہ ذات پاک جو اللہ کی ہدایتوں کے مطابق یہ بار بار اعلان کرتا ہے۔ کہ تمہیں ہر نیک کام پر اس وقت معاوضہ ملے گا۔ جب صرف خدا کی رضامندی تمہارے پیش نظر ہوگی اگر لفظ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کسی کو اس لغو ترین خطاب کا مخاطب حضور ﷺ کو بنانے پر آمادہ کرتا ہے۔ تو ان بزرگوں کو (سورۃ الاحزاب، آیت 1 پارہ 21' رکوع: 17) کا مطالعہ فرمانا چاہیے۔ جس آیت کو يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ سے شروع کیا ہے۔ اس کے بعد وہ' طاب کے صیغے استعمال کئے ہیں جن کا مخاطب یہ بزرگ محدثین' مفسرین اور فقہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بناتے' کیونکہ یہ فعل حضور ﷺ کی شان نبوت کے خلاف ہے اتق اللہ یعنی ڈر و اللہ سے تقوی تو حضور ﷺ کا ذاتی فعل تھا اور نزول قرآن سے قبل بھی چالیس برس تک حضور ﷺ کے معجزانہ کمالات میں شمار ہوتا تھا۔ جو تقویٰ کا مجسمہ ہیں۔ امام سیوطیؒ نے اپنی مشہور تفسیر' اتقان' میں ایک حصہ خطابات قرآن کے متعلق لکھا ہے جس میں یہ تصریح کر جی ہے کہ جو فعل حضرت خاتم النبیینؐ کی شان کے خلاف ہے اس خطاب کا تعلق امت کے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ نہیں دوسرا خطاب اس آیت میں یہ ہے وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ معاذ اللہ اس کے مخاطب حضور ﷺ نہیں خاکم بدہن۔ اس کے مخاطب ہم ہیں جو ان کا کلمہ پڑھتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کے خلاف کفار کی ہدایتوں کی تعمیل و تبلیغ کرتے ہیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر: 48 میں یہی ناپسندیدہ خطاب حضور ﷺ کا نام لے کر امت کو مخاطب کیا گیا ہے۔ آثار تو شہادت دیتے ہیں کہ معاذ اللہ اس خطاب کا مخاطب بھی حضور ک ہیں لیکن اگر اس کا مخاطب حضور ﷺ کو بنیا جائے۔ تو حضور ﷺ کی عصمت اور پاک دامنی کی تمام عمارت ناپید ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سورۃ التحریم کی پہلی آیت میں امت ہی مخاطب ہے۔ جو آئے دن اس فعل قبیح کی مرتکب ہوتی رہتی ہے اس حقیقت کو اس سورۃ کی دوسری آیت میں یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ج کہ انمٹ حقیقت ہے کہ تم اس قسم کی قسموں کو توڑ کر خدا تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا کفارہ ادا کر دو' لہٰذا قسمیں کھانے والے بھی ہم اور جن کو کفارہ ادا کرنیکا یہ حکم ہے وہ امت ہی ہے۔ ورنہ خاکم بدہن تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ ۔۔۔ قسم حضور ﷺ کھائیں اور قسم کے توڑنے کا کیا رہ امت ادا کرے' یہ کوئی مفہوم نہیں' لہٰذا دوسری آیت میں قسمی توڑ کر کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہی لوگ پہلی آیت میں یہ لغو قسمیں کھانے کے مخاطب ہیں۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر تین میں یہ اعلان فرمایا کہ تم بن عورتوں کی رضامندی حاصل کرنے کی لغو قسمیں کھاتے ہو۔ تو یہ تمہارے راز دوسروں کے سامنے افشا کرتی رہتی ہیں ے گو وہ عورتیں نبی کی بیویاں ہو کیوں نہ بن جائیں اور ان عورتوں کی مشکوک رضامندی کا مفہوم جو تمہارے ذہن میں ہے وہ کبھی پورا نہ ہوگا۔

آیت نمبر:4اور5 میں جملہ شرطیہ کی شکل میں جو خطاب نظر آتا ہے اسے بھی علم فصاحت و بلاغت میں اپنے ایک اصول کے ماتحت طے کر دیا۔ عام طور پر عربی میں شرطیہ کے لئے تین حرف استعمال ہوتے ہیں' 1۔ان۔2۔اذا۔3۔لو۔

اول الذکر اس شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جو ممکن الوقوع ہو۔

ثانی الذکر اس جملہ شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں شرط کا وقوع یقینی ہو۔

اور ثالث الذکر اس شرطیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جس شرطیہ میں شرط کا عدم وقوع یقینی ہو یا اس کا وقوع یقینی ہو۔ وہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(سورۃ الزخرف کی آیت نمبر:81، پارہ:25 رکوع:13) میں اسی شرطیہ پر غور فرمائیں: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ یہاں ان کے معنی لو کے ہیں یعنی بہ فرض محال اگر خداوند کریم کی کوئی اولاد ہوتی یعنی بیٹا یا بیٹی' تو میں اس کا پہلا عبادت گزار ہوتا۔ اس شرطیہ میں شرط کا وقوع محال اور ممنوع ہے۔ ورنہ ساری توحید کی تعلیم ختم ہو جائے گی۔ لیکن لفظ ان' استعمال کر دیا اور پہلی سورۃ میں آیت نمبر:23، پارہ پہلا' رکوع تیسرا) اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی ان کا لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ اس جملہ شرطیہ کی شرط کا وقوع یقینی ہے اور قرآن اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ لفظ ان یہاں (اذا) کی جلہ استعمال ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم کے مخالفین اس وقت شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور یہ شرط کے وقوع کا نہ صرف امکان تھا بلکہ اس کا وقوع یقینی تھا اس لئے اس آیت نمبر:4 میں ان کے افشائے راز کرنے والی نبی کی بیویوں کے لئے دو جملے شرطیہ استعمال کئے۔ پہلا جمل اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ افشائے راز پر جب تمہاری شان شایان ندامت موجود ہے۔ اس کی علت اور سبب یہ ہے کہ تمہارے دل و دماغ میں اور گفتار و کردار میں نبی کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ آپ اگر کی بجائے جب سے کریں۔ یعنی ان کو اذا کے معنی میں استعمال کریں۔ تو کوئی الجھن نہیں پیدا ہوگی۔ بلکہ ازواج مطہرات کی مدح و ستائش کا پہلو نکلے گا۔ دوسرے جملے کا مفہوم بھی یہی ہے اور ان اس جملہ شرطیہ میں حرف شرط ''لو'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر بفرض محال تم نے ایک دوسرے کی حمایت کی اور امداد کی خدانخواستہ اگر اس افشائے راز کی بجائے معین و مددگار بن گئیں اور اپنے اس ناپسندیدہ فعل پر بفرض محال ندامت کی جگہ تم نے ایک دوسرے کی پشت پناہی شروع کر دی۔ تو نبی کی شان میں کوئی فرق نہ پیدا ہوگا اس لئے کہ اس نبی ﷺ کے مددگار خدا تعالیٰ اور فرشتے اور نیکو کار ایماندار موجود ہیں اور وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں لہٰذا اس آیت میں بھی ''ان'' ''لو'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ ان کا افشائے راز اور اس مجرمانہ فعل پر اتحاد اور امداد باہمی کا وقوع محال ہے۔ اسی طرح آیت نمبر:5 میں بھی' ان کا لفظ ''لو'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اگر طلاق دے دی اس نے تم کو تو تمہارا ہی صرف نقصان ہوگا۔ وہ تو تمہاری جگہ تم سے بہتر عورتیں ہدایت' دعوت و تبلیغ خداوندی کے لئے منتخب کر لیں گے اس ترجمہ میں کئی قصے پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ سب غلط ہیں' کیونکہ ان یہاں بھی ''لو'' کے معنی میں استعمال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شرطیہ کا عدم وقوع یقینی ہے یعنی وہ نبی ﷺ تمہاری مخلصانہ فدا

کاریوں کو دیکھتا' تو ہرگز طلاق نہیں دے گا۔ اور تم سے ازدواجی تعلقات منقطع نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ یہ تعلقات نبی ﷺ اور تمہاری مرضی اور تمہارے رشتہ داروں کی مرضی سے طے نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کی صریح ہدایتوں کے مطابق ہوئے ہیں۔

(سورۃ الاحزاب' آیت نمبر: 28-29، پارہ: 22' رکوع پہلا) یعنی نبی کریم ﷺ کو اس شرط کا اعلان کرنا پڑا کہ جو عورتیں آپ کی ازدواجی زندگی میں آنا چاہیں اور پیغمبرؐ ان کو اپنی ازدواجی زندگی میں لانا چاہے۔ تو ناکے رشتہ داروں پر واضح کردے کہ اگر تم دنیاوی آسائشوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی ازدواجی زندگی میں آنا چاہو تو تمہیں اس بات سے مجتنب رہنا چاہیے۔ اور یہ بھی اعلان فرمادیا اسی سورہ کی 34 آیت میں کہ میرے بے مثل نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی میں آنے والی نیکو کار عورتیں بھی بے نظیر و بے مثال ہیں اور ان کی یہ بے مثل صفت مرتے دم تک قائم رہے گی۔ اور نہیں خصوصیات کی وجہ سے نہیں امہات المومنین کا لقب خدا نے عطا فرمایا۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر: 6، پارہ: 21 رکوع: 17) اور ان کی پاکیزہ ترین ازدواجی زادگی کا تذکرہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر چونتیس میں کیا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ عنی تمہاری ازدواجی زندگی کا اہم ترین مقصد ہے کہ جہاں سیکڑوں ہزاروں مردوں کو حضور ﷺ قرآن کریم کی آیتوں کا امین بنا رہے ہیں اور صبح و شام ان کی تصدیق و تعمیل کے بعد ان کی تبلیغ کرنا ان کا فرض ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح اس نبی کا فرض ہے کہ رسمی طور پر ازدواجی تعلقات قائم کر لئے جائیں اور ان نیکو کا بے مثل عورتوں کو خدا کی بے مثل ہدایتوں کا بے تکلفی سے درس دیں اور اسی سورۃ الاحزاب' آیت نمبر: 50 اور 51 میں جہاں اس ازدواجی زندگی کے متعلق حضور ﷺ کے فرائض کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہاں ازواج مطہرات کی یہ بے مثل خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ ان کی آنکھیں حضور ﷺ کی محبت سے اس وقت ٹھنڈی ہوتی ہیں جب حضور ﷺ ہدایات خداوندی کا درس دینے میں زیادہ فرماتے ہیں تو بجائے رنجش و حسد کے ان کے دل میں مسرت و فرحت کے دریا بہنے لگتے ہیں اور ضروریات زندگی میں سے جو کچھ بھی حضور عطا فرماتے ہیں۔ اس عطیہ کی شاہی تخت و تاج سے زیادہ قدر کرتی ہیں بلکہ واقعات میں ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ عصر کے وقت تو معاشی زندگی کے اسباب و ذرائع ان میں آپ ﷺ تقسیم فرماتے تھے اور شام کے وقت تک عشا کے وقت تک ضروریات زندگی کی کوئی چیز بھی اپنے گھر میں فالتو نہیں رہنے دیتے تھے اور ان تمام چیزوں کو بے کس اور بے نوا گھرانوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور جب رب العالمین کی منشا کے مطابق ان بے مثل ٹرینڈ ازواج مطہرات کی تعداد پوری ہوگئی۔ تو حضور ﷺ کو حکم دیا اب ان کے بعد کسی عورت سے ازدواجی زندگی کا تعلق قائم مت کرو۔ بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ یہ بھی آپ نہیں کر سکتے کہ اگر کوئی عورت اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کی مالک ہو۔ ان موجودہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو الگ کر دیں اور اس کی جگہ اس اعلیٰ ترین اخلاق کی مجسمہ عورت کو اپنی ازدواجی زندگی میں لے آئیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر: 53 میں مسلمانوں کو ازواج مطہرات کی امہات المومنین ہونے کی یوں حقیقت بھی بیان فرمادی۔ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ ان ہدایت کو پیش نظر رکھ کر مفسرین کی الجھی ہوئی روایتوں میں کون پھنس سکتا ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے خاکسار کی یہ گزارشیں سننے کے بعد علما کی موجودگی میں فرمایا کہ بڑے بڑے محدثین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی کسی لغزش سے متاثر ہوکر انہیں طلاق دے دی تھی۔ خاکسار نے گزارش کی کہ اس قرآن میں جو چودہ سو سال سے ہمارے پاس چلا آتا ہے۔ اس میں ان بیان کردہ واقعات کے سوا کوئی واقعہ درج نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت صحیح بخاری میں موجود ہے جو ہمارے ان بزرگوں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے قابل اعتماد دوست اور پڑوسی نے یہ حیران کن اطلاع دی کہ حضور ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے وہ اسی وقت تیار ہوکر مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو وہاں برگزیدہ صحابہ کرام کو روتا ہوا پایا۔ ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو نہوں نے آپ کے پڑوسی کی تصدیق کی۔ چنانچہ آپ نے اس الجھن سے نکالنے کے لیے سرور کونین ﷺ کے دروازے پر کچھ وقفے ڈال کر تین دفعہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اپنے مخصوص کارکن کے ذریعے اپنی معذوری کا اظہار فرمایا لیکن میری یہ خوش قسمتی تھی کہ کہ جب میں حجرہ مبارکہ سے دو چار قدم آگے نکلا تو حضور ﷺ کا خادم خاص دوڑتا ہوا پہنچا کہ حضور ﷺ یاد فرما رہے ہیں میری مسرت کی حد نہ رہی۔ اس بے حد مسرت کے ساتھ میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا کہ خون آلود کپڑوں میں لپٹے ہوئے آپ ﷺ ایک بڑا سرہانہ سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے اور فرش کی چٹائی بھی خون آلود تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر میں حیرت میں رہ گیا۔ آپ ﷺ نے میری حیرت کو ختم کرنے کے لئے خود ارشاد فرمایا کہ کس مقصد کو پیش نظر رکھ کر تم آئے ہو؟ عرض کیا اے رسول ﷺ کیا سچ مچ آپ ﷺ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے اس سوال سے متاثر ہوکر ارشاد فرمایا کہ بخدا ایسا کوئی واقعہ نہیں میں نے راویوں کی آہ و بکا کو ختم کرنے کے لئے نعرہ تکبیر بلند کیا آپ ﷺ نے تکیہ کا ذرا سہارا لیتے ہوئے سنبھل کر فرمایا کہ مدینہ کے قرب و جوار میں ایک بستی میں جو مسلمان پارٹیوں کا کچھ جھگڑا تھا وہ عشا کے بعد میرے پاس آئے اور مجھے اپنی بستی میں لے جانے پر اصرار کیا۔ میں بین الناس کا فریضہ ادا کرنے کیلئے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے اپنی سواری پر اکیلا ہی روانہ ہوگیا اور جب صلح کرا کر واپس ہوا تو ایک گھاٹی میں سے گزرتے ہوئے میری سواری بے لگام ہوگئی۔ اس کے بے قابو ہونے کی وجہ سے میں گر گیا۔ لیکن چند قدموں پر سواری رک گئی۔ میں اس شدید ترین زخمی حالت میں اس پر سوار ہوکر گھر پہنچا اور ازواج مطہرات میری انتظار میں تھیں۔ مجھے اس شدید ترین زخمی حالت میں دیکھ کر آہ و بکا شروع کر دی۔ جو مجھے قطعاً ناگوار گزری کیونکہ وہ اپنی جگہ مجبور تھیں میں اپنی جگہ مجبور، ان کا فرض تھا کہ وہ میری حالت زار کو دیکھ کر آہ و بکا کا شکار ہوں اور میں اپنی جگہ۔ میں ان کو روکتے ہوئے انہیں کہا کہ میرے کمرے سے نکل جاؤ بس بات اتنی تھی جس کا بتنگڑ بن گیا۔

حضرت علامہؒ بے حد مسرور ہوئے اور مرحوم تاثیر پرنسپل اسلامیہ کالج کو حکم دیا کہ صبح جب ان کے درس میں جاؤ تو صحیح بخاری کا وہ صفحہ نوٹ کر کے لے آنا۔ لہٰذا میں ان کی مخلصانہ دعاؤں کے بعد رخصت ہوکر گھر آ گیا۔

❀❀❀

محمد سلیم اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبالؒ اور پرویزؒ

پرویزؒ صاحب کی تمام کتابوں اور تحریروں کو اگر اقبالیاتِ پرویز کا نام دے دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اقبالؒ کی شاعری پر ان کے لیکچرز تو اور بھی خاصے کی چیز ہیں۔ زبان و بیانِ پرویز اور زیرِ درس اقبالؒ کے اشعار ہوں تو سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے۔ اقبالؒ اور پرویزؒ کے موضوع پر خود پرویز صاحب کی تحریروں کے اقتباسات پیش کر دیے جائیں تو غیر موزوں نہ ہوگا۔ ذیل میں کچھ اقتباسات پیشِ خدمت کئے جا رہے ہیں جو متعدد کتابوں اور مقالوں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں' ان اقتباسات سے ان دونوں عظیم شخصیات کے باہمی تعلقات کا ایک واضح خاکہ سامنے آ جائے گا۔

علامہ اقبالؒ سے پرویزؒ صاحب کا ابتدائی تعارف:

پرویز صاحب نے اپنی تصنیف ''تصوف کی حقیقت'' میں اقبال سے اپنے ابتدائی تعارف کی کہانی کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

> مجھ پر مبداءِ فیض کی ایک اور نگہِ تلطف یہ تھی کہ دادا جانؒ بڑے وسیع المشرب اور کشادہ نگاہ واقع ہوئے تھے۔ اس کا مجھے کس طرح فائدہ پہنچا' اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ جب علامہ اقبالؒ کی مثنوی اسرارِ خودی شائع ہوئی تو اہلِ تصوف کی طرف سے اس کے خلاف طوفان برپا کر دیا گیا' کیونکہ اس میں مسلکِ وحدت الوجود پر بالعموم اور حافظؔ پر بالخصوص کڑی تنقید کی گئی تھی۔ (اس معرکہ کا تفصیلی ذکر آپ کو متنِ کتاب میں ملے گا)۔ دادا جانؒ خود وحدت الوجودی اور حافظؔ کے مداح تھے۔ اس اعتبار سے انہیں ان کا ساتھ دینا چاہئے تھا جو اقبالؒ کے خلاف ہنگامے برپا کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے' نہ صرف یہ کہ ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی وسعتِ قلب کا ایک اور انداز سے ثبوت دیا۔ انہوں نے مثنوی اسرارِ خودی کو سبقاً سبقاً مجھے خود پڑھایا' اور اس انداز سے کہ حضرت علامہؒ کی علمی عظمت اور احترام میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ یہ اقبالؒ کے ساتھ میرا پہلا قلبی تعارف تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے مسلکی تعصب کی تنگ نگہی کے ساتھ مثنوی پڑھاتے تو (اس شاخِ سرسبز کی سی عمر میں) میرے قلب کی گہرائیوں میں علامہ اقبالؒ کا کس قسم کا تصور جاگزیں ہوتا اور میں زندگی کی کتنی بڑی عظیم اور بے بہا متاع سے محروم رہ جاتا! اتنا ہی نہیں! دادا جانؒ نے میری نگاہ کا رُخ کس طرح دانشکدۂ اقبالؒ کی طرف موڑ دیا' اس کا ذکر ذرا آگے چل کر آئے گا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے ساتھ ان کے روابط تھے' یا وہ (کم از کم) باہمد گر متعارف تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ دادا جانؒ نے مثنوی کے جس نسخہ کو مجھے پڑھایا تھا' اس پر حضرت علامہ کے دستخط ثبت تھے۔ بہرحال' حقیقت کچھ بھی ہو' علامہ اقبالؒ کا ابتدائی نقش جو میرے قلب و دماغ پر مرتسم ہوا' اس نے میری زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔

لیکن میں نے ابھی تک فطرت کی اس منفرد نوازش کا ذکر نہیں کیا جس نے مجھے وہ کچھ بنا دیا جو کچھ میں اب ہوں۔ یعنی آفتابِ قرآنی کے ساتھ نسبت رکھنے والا ایک ذرۂ خاک۔۔۔ اور اس پر میں جس قدر بھی فخر و ناز کروں' کم ہے۔ وہ نوازشِ خصوصی یہ تھی کہ مجھے تنقیدی نگاہ بھی عطا کر دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ میں کسی بات کو اس وقت تک تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا جب تک میرا قلب و دماغ مطمئن نہ ہو جائے۔ تنقیدی نگاہ کے نشتر کی خلش کا سلسلہ اسی زمانہ میں شروع ہو گیا اور دلائل طلبی گویا میرا علمی معمول بن گیا تھا۔

(تصوف کی حقیقت' باب رسم و رہ منزلہا' صفحات' غ۔ف)

پرویزؒ صاحب کی علامہ اقبالؒ سے ملاقاتیں:

''جب میں لاہور آنے لگا تو دادا جانؒ نے مجھے (لاہور میں) ''دو بزرگوں'' سے ملنے کی تاکید فرمائی۔ ایک امام الدین نجار جو نواں کوٹ کے گاؤں میں رہتے تھے (اور کہا جاتا تھا کہ وہ لاہور کے قطب ہیں) اور دوسرے علامہ اقبالؒ جن سے انہوں نے مجھے' ذہنی طور پر پہلے متعارف کرا رکھا تھا۔ اول الذکر بزرگوار سے تو میں ایک آدھ مرتبہ ہی ملا' لیکن حضرت علامہؒ کی خدمت میں بازیابی کے مواقع زیادہ حاصل ہوئے' اب جو اس زمانے میں ان کی خدمت میں حاضری کی جرأت پر نگۂ بازگشت ڈالتا ہوں تو دل ہی دل میں محجوب سا ہو جاتا ہوں۔ کہاں علامہ اقبالؒ اور کہاں ایک اٹھارہ بیس سال کا نووارد' گمنام سا طالب علم! چہ نسبت خاک را با عالم پاک! لیکن حضرت علامہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ کسی ملنے والے کے دل میں اپنی بلندیٔ مقام کا احساس نہیں پیدا ہونے دیا کرتے تھے۔ وہ بہت جلد اس کے ''یار'' بن جایا کرتے اور یوں بعدِ مرتبت کا احساس مٹا دیا کرتے تھے۔

جہاں تک امورِ شریعت کا تعلق ہے' میں نے حضرت علامہ سے قرآن فہمی کا طریق اخذ کر لیا۔ اس کے بعد میں قرآن اور دین کے سلسلے میں جو کچھ کر سکا ہوں' وہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ مجھ ذرۂ ناچیز پر ان کا یہ اتنا بڑا احسان ہے جس سے میں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔''

(ایضاً۔ صفحات' ق۔ک)

ماہنامہ طلوعِ اسلام، قائداعظمؒ اور اقبالؒ:

محمد عمر دراز صاحب ''مجلسِ اقبال'' کے آغازِ سخن میں چوہدری حبیب الرحمن کی کتاب ''اقبالؒ قائداعظمؒ پرویزؒ مودودی اور تحریکِ پاکستان'' کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

> حضرت قائداعظمؒ نے جب حصولِ پاکستان کے لئے اپنی تحریک کا آغاز کیا تو انہیں، خلافِ توقع ایک ایسے محاذ پر بھی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جو ان کے اپنے (سیاسی) دائرہ عمل سے باہر تھا۔ یہ مخالفت تھی ان مسلمان نیشنلسٹ علماء کی طرف سے جو ہندو کانگرس کی وظیفہ خوری میں، اپنی قوم کی تمام تر متاع، ہندو کے ہاتھ بیچ ڈالنے کے درپے تھے۔ قائداعظمؒ نے، تحریک پاکستان کی اس محاذ سے مخالفت کے سدباب کی ذمہ داری جناب غلام احمد پرویزؒ کے سپرد کی۔ میاں بشیر احمد صاحب نے بتایا کہ قائداعظمؒ کے اس انتخاب کے محرک علامہ اقبالؒ تھے۔ آپ نے پرویز صاحب کا نام اپنے مذکورہ باہمی تعلقات اور پرویزؒ صاحب کی فہم قرآن سے متعلق اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر تجویز کیا تھا۔ چنانچہ قائداعظمؒ کی تفویض کردہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے 1938ء میں ماہنامہ طلوع اسلام کا دہلی سے آغاز نو ہوا۔ اس زمانے کی طلوع اسلام کی فائلیں اس پر شاہد ہیں کہ پرویزؒ صاحب نے کس مہارت اور جانفشانی سے مجوزہ مملکت پاکستان کی دینی اہمیت اور اس کے حصول کی ضرورت کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بارگاہ ایزدی سے شرف پذیرائی ملا اور 14 اگست 1947ء کو نئی مملکت پاکستان دنیا کے نقشہ پر ابھری جبکہ مخالفین پاکستان کے حصہ میں روسیاہی، ندامت اور شکست کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ پرویزؒ صاحب کی یہ مساعیٔ جمیلہ اب ''تحریک پاکستان اور پرویز'' نامی کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ مزید برآں پرویز صاحب کی تحریک حصول پاکستان کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات کے اعتراف میں انہیں حکومت کی طرف سے ''تحریک پاکستان گولڈ میڈل'' بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ ہے علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ سے پرویزؒ صاحب کے تعلقات اور تحریک پاکستان میں ان کی قومی خدمات کی ایک ہلکی سی جھلک۔
>
> (مجلسِ اقبال از پرویز، صفحات ط۔ظ)

علامہ اقبالؒ سے پرویزؒ صاحب کی آخری ملاقات:

اس ملاقات (جنوری 1938ء) کا احوال پرویزؒ صاحب نے خود اپنے قلم سے تفصیلاً تحریر کیا ہے جو کہ ان کی تصنیف ''اقبالؒ اور قرآن'' میں شامل ہے اس موقعہ پر انہوں نے اقبالؒ سے ان کی تصنیف ''جاوید نامہ'' سے متعلق بھی گفتگو کی۔ اس گفتگو کا ایک اقتباس ذیل میں درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

> جاوید نامہ کے متعلق کچھ ذکر آیا تو میں نے عرض کیا کہ دربارِ فرعون کے ساحر جن کی قوتِ ایمانی استبدادِ فرعون

کا دندان شکن جواب ہے' انہیں جاوید نامہ میں ضرور جگہ ملنی چاہئے تھی۔ فرمایا کہ جاوید نامہ میں تو بہت سی چیزیں لکھنے سے رہ گئیں۔ جی چاہتا تھا کہ کہیں سید احمدؒ (بریلوی) اور سید احمد (دہلوی)' (سرسید) کی روحوں کو بھی اکٹھا کر دوں۔ یہ بھی نظر انداز ہو گیا اور بھی بہت سی باتیں میں نے نوٹ کر کے رکھی تھیں۔ اب کسی اور موقع پر ان کو لکھوں گا۔ (اقبال اور قرآن' صفحات:99-98)

''تبویب القرآن'' کی ترتیب میں اقبالؒ کی راہنمائی:

لغات القرآن کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ میری زندگی' بچپن سے لے کر اس وقت تک' اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رہی ہے۔ ابتداءً میں نے بھی (جیسا کہ ہمارے ہاں کا معمول ہے) اس کا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی۔ بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآں دیگر است
رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اس وقت جب میں اس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اہم نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

''تصریف آیات'' کی رو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی۔ یعنی ایک موضوع سے متعلق' قرآن کریم کی تمام آیات کو یکجا کر کے انہیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا۔ اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ہوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا' اور جس کی تفصیل انہوں نے مجھے بتائی تھی' اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی۔ اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کوئی جماعت' یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد' اس اہم کام کے لئے تیار ہو جائے' لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور بالآخر یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا پڑا۔ اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی۔

(لغات القرآن' پیش لفظ' صفحات:20-19)

مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ:

اس مجلس کا احوال پرویزؒ صاحب کے رفیقِ قدیم خورشید عالم صاحب نے دسمبر 1954ء میں تفصیل سے قلم بند کیا جو کہ

ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا:

1951ء میں، مصر کے نامور دانشور، صاحبِ قلم اور کلامِ اقبال کے شیدائی، ڈاکٹر عبدالوہاب عزامؒ مملکتِ مصر کے نئے سفیر کی حیثیت میں پاکستان تشریف لائے۔ اس سے پہلے آپ فرانس میں یہ فرائض ادا کر رہے تھے، جہاں انہوں نے اقبالؒ کے ''پیامِ مشرق'' کا منظوم عربی ترجمہ کیا تھا۔ قیامِ فرانس کے دوران کسی تقریب میں آپ کو کسی نے بتایا کہ اگر آپ کلام اقبال سے کماحقہٗ استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو پاکستان جائیے۔ وہاں آپ کو ایک پاکستانی اقبال شناس، کلام اقبال کی حقیقی روح سے روشناس کرائے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب، اس وقت کے فرمانروائے مصر، شاہ فاروق سے اپنی خصوصی درخواست پر پاکستان کے لئے سفارت حاصل کر کے یہاں آئے اور سید عبدالواحد صاحب (سیکرٹری مجلس اقبال) کے توسط سے آپ نے پرویزؒ صاحب سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ پرویزؒ صاحب سفارت خانہ مصر گئے تو اپنے ذہن میں ایک عجیب سا تصور لے کر۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سفارت خانے عجیب دنیا ہوتے ہیں۔ ان میں جھانک کر دیکھئے۔ شان و شوکت، ٹھاٹھ باٹھ، تصنع، تکلف، ظاہر داری اور دیگر بے شمار بظاہر حسین لیکن بباطن خبیث دخترانِ ماڈرن ڈپلومیسی قدم قدم پر نظر آئیں گی۔ یہ تن کی دنیا ہے جو ''سود و سودائے مکر و فن'' سے معمور ہے، نہ کہ ''سوز و مستیٔ جذب و شوق'' سے آباد من کی دنیا۔ اس جہانِ گندم و جو میں ان درویشوں کا ذکر کہاں جن کے قلوب و اذہان میں ''قرآن اور اقبال'' نے اقدار کی ایک ایسی دنیا بسا رکھی ہو جس میں اضطرابِ موج کے ساتھ ساتھ، سکونِ گہر بھی ہو، جو بدلتے رہنے کے باوجود نہ بدلیں اور جن کی حالت یہ ہو کہ:

ز برونِ در گذشتم، ز درونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

بہرحال پرویزؒ صاحب سفارت خانہ مصر گئے، اس حال میں کہ آیا نہیں، لایا گیا ہوں۔ سفیرِ مصر ڈاکٹر عبدالوہاب عزامؒ سے ملاقات ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد پرویز صاحب نے یہ محسوس کیا کہ وہ کاخِ نمائندہ شاہی میں نہیں بلکہ کسی حجرۂ درویش میں ہیں۔ وہ درویشِ خدامست، نہ شرقی ہے نہ غربی۔ ایک طرف ان کا علم و فضل تھا جو عالمانہ نمائش سے پاک تھا۔ اس میں سراسر طالب علمانہ تجسس تھا۔ دوسری طرف ان کا عشق تھا جس نے انہیں سراپا سوز و گداز بنا رکھا تھا۔ یہ اقبال ہی کا فیض ہو سکتا تھا۔ اب پرویز اور عزام اس دنیا میں تھے جہاں تمام حجابات یک لخت اٹھ جاتے ہیں اور ملنے والے ''من تو شُدم، تو من شُدی'' کی حقیقی اَلَّفَتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ (8:63) کی تصویر بن جاتے ہیں۔ یہ ملاقات مجلسِ قلندرانِ اقبال کا نقشِ اول بنی۔

چنانچہ مجلسِ قلندرانِ اقبال کی تاسیس ہوئی اور سفارت خانہ مصر میں اس کی نشستوں میں ضربِ کلیم، بالِ جبریل، ارمغانِ حجاز (حصہ اردو)۔ جاوید نامہ، اسرار و رموز، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق اور بانگِ درا لفظاً لفظاً پڑھی گئیں اور ان کی تشریح کی گئی۔ سفیرِ اقبال ڈاکٹر عزام نے ان شرحوں کو منظوم عربی کا پیرہن دیا اور پوری دنیائے عرب کو فکرِ اقبال کے نور سے منور کر دیا۔ انہوں نے علامہ اقبال کے عرب دنیا میں تعارف کی غرض سے ایک خود مکتفی کتاب بعنوان ''محمد اقبال۔ سیرتہ، شعرہ، وفلسفتہ'' بھی تالیف کی۔

ان مجالس میں ظاہر ہے کہ شیخِ قلندراں کا منصب پرویز صاحب ہی کے لئے مختص تھا کیونکہ کلامِ اقبال وہی پڑھا اور پڑھایا کرتے تھے۔ ضربِ کلیم کے عربی ترجمہ کا تعارف بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے پرویز صاحب ہی سے لکھوایا، جواب (ترجمہ اردو) پرویز صاحب کی تصنیف ''اقبال اور قرآن'' جلد اول میں شامل ہے۔

یہ سلسلہ 4 سال تک جاری رہا اور اس مجلس کی آخری نشست 11 دسمبر 1954ء کو منعقد ہوئی جس میں مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، کا آخری باب زیر مطالعہ رہا۔ اس کے بعد سفیرِ اقبال، پاکستان سے رخصت ہو کر سعودی عرب چلے گئے۔

1955ء میں بعض احباب کی طرف سے تقاضے موصول ہونا شروع ہوئے کہ طلوع اسلام میں پیغامِ اقبال کو عمومی طور پر پیش کرنے کے علاوہ، اس میں کلام اقبال کی تشریح مسلسل اور التزاماً شائع ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کے لئے سب سے پہلے مثنوی اسرار و رموز کا انتخاب کیا گیا کہ حضرت علامہ کی پہلی مطبوعہ کتاب بھی یہی تھی۔ 1955ء سے 1959ء تک اس مثنوی کی شرح طلوع اسلام میں شائع ہوتی رہی، جو اب کتابی شکل میں شائع کی جا چکی ہے۔

(خورشید عالم، ماہنامہ طلوع اسلام، دسمبر 1954ء)

اقبالؒ اور نقدِ پرویزؒ:

اس سب کے باوجود پرویز صاحب نے جہاں جہاں اقبال کے افکار کو اپنی رائے میں قرآن کے مطابق نہیں پایا، نہایت غیر جانب داری سے تنقید کی ہے۔ وہ خود تصوف کی حقیقت میں تحریر فرماتے ہیں:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

''اپنوں کی خفگی'' کی وجہ میری وہ تنقید ہوگی جو میں نے خود علامہ اقبالؒ کے بعض عقائد اور خیالات پر کی ہے۔ اقبالیین کا حلقہ تو میرے اپنوں کا حلقہ ہے۔ ان میں اکثریت ان کی ہے جو خود میری تحریروں کی وجہ

سے فکرِ اقبالؒ کے قریب آئے ہیں۔ (اس نکتہ کی مزید تشریح اس کتاب کے حصۂ دوم میں ملے گی جو ''اقبالؒ اور تصوف'' سے متعلق ہے)۔

جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری تنقید اصولوں پر مبنی ہے۔ اس سے کسی واجب الاحترام شخصیت کی تنقیص یا تحقیر مقصود نہیں۔ میں تو (قرآن کی رو سے) غیر مذاہب کے مذہبی بزرگوں کی تحقیر بھی روا نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ خود اپنے ہاں کے بزرگوں کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کا مرتکب ہوں۔ کسی کی غلط بات کو غلط کہنے کو اس کے خلاف گستاخی پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں تو اس اسوۂ ابراہیمیؑ کے اتباع کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے جس کی رو سے اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا (19:42) انہوں نے اپنے والد تک کو معبودانِ باطل کی عبودیت سے روک اور ٹوک دیا تھا لیکن اس کے باوجود اسی والد کے ساتھ حسن سلوک کے جذبہ میں فرق نہیں آیا تھا۔ یہ اسی جذبہ کا تقاضا تھا جو وہ دعا کرتے رہے کہ اسے (والد کو) صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا ہو جائے (القرآن۔ 114:9) اپنی ملت کے بزرگوں کے متعلق میرا مسلک بھی یہی ہے۔ میری تنقید ان کے غیر قرآنی عقائد کے خلاف ہے' ان کی ذات کے خلاف نہیں۔

تحریک پاکستان گولڈ میڈل:

شعبہ تحریک پاکستان' محکمہ اطلاعات وثقافت' حکومتِ پنجاب کی جانب سے کارکنانِ تحریکِ پاکستان کی لائق تقلید و صد تحسین خدمات کے تذکار جمیلہ پر مشتمل ایک کتاب شائع کی گئی جس کی مجلس ادارت میں پروفیسر محمد مظفر مرزا' شہباز بخت اور اشفاق ملک شامل تھے۔ اس کتاب میں پرویزؒ صاحب کا تعارف اس طرح درج ہے:

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تاریخ پیدائش 9/ جولائی 1903ء ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکزی حکومت ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومت پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی ءاقبالؒ ہونے کے ناطے' آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں' علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرت قائداعظمؒ نے اپنے قیامِ شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمھارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری

اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے دور جدید کا اجراء مئی 1938ء کے شمارے کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہنامہ میں پرویز صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ ''دوقومی نظریہ'' اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا' اس کا آپ نے موثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے' اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کے لئے دشوار تھا تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے' مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے بزمِ اقبال کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویز صاحب قرآن کریم اور فکر اقبالؒ کی روشنی میں تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیام پاکستان تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ جب 1946ء میں سرخ پوشوں اور کانگرس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں' پاکستان میں شمولیت/عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پایا گیا تو پرویز صاحب صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ کی کانگرسی وزارت اور سرخپوش لیڈر خان عبدالغفار خان کو ہمہ جہت مخالفتوں کے علی الرغم سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویز 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمۃ کے' تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظمؒ سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں' کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آجانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائداعظمؒ علامہ پرویز پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب اس کا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے انتخاب کے لئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کے خلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مردمجاہد آڑے آیا اور ہر موقع پر ایسے مدلل مقالات سپردِ قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔

علامہ غلام احمد پرویز نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

(تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل، حصہ دوم، صفحات 34-33)

اقبالؒ کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں:

جناب ڈاکٹر سید نذیر نیازی نے ''اقبالؒ کے حضور میں ''نشستیں اور گفتگوئیں'' کے عنوان سے ایک بیاض یادداشت ترتیب دی تھی جس کا جزو اول یکم جنوری 1938ء اختتام 21 مارچ 1938ء پر ہوتا ہے۔ جزوِ دوم 22 مارچ سے 21 اپریل تک ہے۔ اس کتاب میں صفحہ 36 پر دوشنبہ 10 جنوری کے عنوان سے دہلی سے آنے والے اس قافلہ قلندرانِ اقبال کا ذکر ہے جو مولانا اسلم جیراجپوری کی قیادت میں 9 جنوری کو یوم اقبال کی تقریب میں شرکت کے لئے لاہور آیا تھا۔ جو انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ نے منایا تھا۔ جس میں جناب پرویز نے ایک نہایت خیال انگیز، فکر ریز اور احساس خیز تقریر دلنشیں انداز میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس موقعہ پر اقبال سے ملاقات کا احوال سید نذیر نیازی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔

سید نذیر نیازی رقم طراز ہیں:

''پرویز صاحب شاید اس وقت سے جب حضرت علامہ (اقبال) نے کانگریس کے طرفدار علماء کی کوتاہ نظری پر اظہار افسوس کیا تھا، موقعہ کے منتظر تھے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام کی تفسیر قرآن کا ذکر چھیڑ دیا اور ظاہر ہے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے بارے میں گفتگو ہوتی تو مولانا کا ذکر ضرور آتا۔ ان کی تفسیر اگرچہ برسوں کے انتظار کے بعد شائع ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ توقعات پوری نہ ہوسکیں جو مولانا کے علم و فضل سے وابستہ تھیں بالخصوص اس لئے کہ ''الاسلام بمقابلہ اسلام اور ''الدین'' بہ مقابلہ دین کی اصطلاحیں وضع کرتے ہوئے انہوں نے اسلام کی تعبیر ایک ایسے رنگ میں کی جس سے بجائے ایک واضح، قطعی اور محکم دستور حیات کے دین کی حیثیت محض ایک عقیدے، ایک نظریئے، ایک مجرد فکر اور ایک احساس کی رہ گئی۔ مولانا کے نزدیک قرآن پاک کی دعوت یہ ہے کہ جملہ مذاہب عالم ایک دوسرے کی سچائی کا اعتراف کریں۔ سب اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات پر کاربند رہیں تاکہ وہ سب گروہ بندیاں جو ''شرع و منہاج کے اختلاف نے پیدا کر رکھی ہیں، کالعدم ہو جائیں اور دنیا سمجھ لے کہ ''الدین'' یا ''الاسلام'' کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ یہ

مقصد ہے خدا پرستی اور نیک عملی۔ اس لئے کہ نجات وسعادت کی اساس ہے حسن اعتماد کے ساتھ ساتھ توحید باری تعالیٰ کا اقرار۔

پرویز صاحب نے کہا وحدتِ ادیان کا یہی غلط تصور، جو مولانا نے اس طرح قائم کیا سرچشمہ ہے قرآن مجید کی اس تفسیر کا جو مولانا نے فرمائی اور جس سے برہمو سماج کے نقطۂ نظر ہی کی تائید ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی دینی عصبیت کو تو کوئی تقویت نہیں پہنچتی۔ مولانا کے ارشادات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسلام اور غیر اسلام میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا۔ نہ عقیدۃً نہ عملاً۔ معلوم ہوتا ہے، ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ مذہباً کانگریس کی حمایت کا جواز پیدا کیا جائے تاکہ ہم اپنے اس دعوے سے کہ مسلمانوں کی ایک جداگانہ قومیت ہے دست بردار ہو جائیں۔ مولانا کے عقائد، مولانا کے خیالات اور مولانا کے نظریات میں یہ تبدیلی افسوسناک بھی ہے اور تعجب انگیز بھی۔

پرویز صاحب نے کہا مولانا گویا دبی زبان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ قوم کا معاملہ مذہب سے الگ ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مولانا کی تفسیر شائع ہوئی تو رسالہ معارف میں ان کے قلم سے ایک طویل تبصرہ بھی شائع ہوا تھا (یعنی پرویز صاحب کے قلم سے)۔

حضرت علامہ (اقبال) نے فرمایا ''مدیر معارف'' نے بھی کیا اس سلسلے میں کوئی رائے ظاہر کی؟

پرویز صاحب نے کہا شروع میں تو سید صاحب نے اس تبصرے کی بڑی تعریف کی اور ان خطرات کا اقرار بھی کیا جن کی طرف اس میں اشارہ کیا گیا تھا لیکن تبصرے کی دوسری قسط کا وقت آیا تو انہوں نے دفعتہ اپنی رائے بدل دی۔

''کیوں؟''

اس عذر میں کہ مولانا کی فضیلت علم اور بصیرت فی الدین مسلّم ہے۔ وہ بہت بڑے سیاسی اور دینی رہنما ہیں۔ ان کے خیالات پر گرفت کی گئی تو بہت ممکن ہے اور زیادہ غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں۔ مصلحت یہی ہے کہ سردست خاموشی اختیار کی جائے۔ مولانا کا شائد وہ مطلب بھی نہیں جو ہم سمجھتے ہیں۔

ارشاد ہوا۔ ''یہ امر بڑا افسوسناک ہے کہ کسی شخص کا علم وفضل یا احترام ذات ہمیں حق گوئی سے باز رکھے۔ اور وہ بھی ان مسائل میں جن کا تعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہے۔''

چند منٹ خاموشی رہی۔ شاید مولانا کی تبدیلیٔ خیالات پر دل افسردگی کے باعث۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی ﷺ	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 3: Spring's Message (*Payam-e Fasl-e Bahar* پیام فصل بہار) –

Message to Fellow-Ambassadors

(Tulu-e-Islam Convention, November, 1959)

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

Only that progress and evolution will sustain in the long run in which all members of human family are equally respected and involved. Otherwise, a society no matter how advanced and evolved stagnates and suffers intellectual and cultural death and will descend into hell like other nations. The Quran has used the word جحیم (*Jaheem*) for hell which means stagnation. Whenever a nation starts stagnating that is when its hell begins.

Taste of laziness from action is self-imprisonment;
The hunter waylays its victim if its hands fold up!

This is the secret of progress and evolution that the Quran mentioned 1400 years ago, and which only now modern sociologists and anthropologists have started discovering it. But we do not have to go outside to seek the proof of it; the proof resides in our own house. That is, the history of the rise and fall of Muslims is a reflection of this reality.

Causes of our rise and fall

When a small group of individuals from the land of Hijaz understood the power of this Quranic wisdom then they created such a unified party – by removing all the distinctions of: ruler and ruled; high and low status; rich and poor; and Arab and non-Arab – with the underlying core principle that in every individual's effort and earning ability, all are equal participants. After the opening Surah the Quran has described the attributes of such individuals when it declares: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (2:3) – whatever We have provided for them they keep it open for the betterment of others. What is the limit of this opening? The Quran replies: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ (2:219) – They also ask you as to how much they should spare for the help of others. Say: all that is surplus to your needs. *This* they were commanded to do. But they went beyond this: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (59:9) – They always give preference to the needs of the others, even if they themselves are indigent and living a life of hardship.

Today, it has become a puzzle as to what is the economic system of Islam. And if someone is told that no surplus wealth remains with anyone in this system then he sees the germs of communism in this system. However, when the philosophy of evolution of human abilities as given in the Quran is understood, then there remains no mystery in understanding its economic system. As mentioned above, its philosophy is that a system in which an

individual, or a group, or a nation keeps to itself the output of its efforts, then the progress of that individual, that group, that nations stops; and it cannot move forward after reaching a certain point. The Quran calls this type of mentality as بخل (*Bukhl* or miserliness) and says: وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ (47:38) – They should know that the one who is miserly in this matter, in fact, harms none but himself. He stops his own self's development. In contrast to this, a group or a nation develops itself further when it tries to help develop others: وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ (35:18) – Whoever provides nourishment to others, he himself receives the same in return. This was the crux of the principle that that small group of the people of Hijaz had understood. The result was that their progress became limitless. There was neither any mystery, nor any puzzle, nor any ideology beyond understanding, nor any supernatural formula in this limitless achievement.

What happened later?

Well, the later followers abandoned that principled law of evolution. They restricted the wealth individually and within limits of their family. One group within the nation became the ruler and thus power and authority became limited within a particular group. And beyond this the entire nation imprisoned itself within its boundary walls of nationhood by ignoring the concept of universal brotherhood of humankind. This was the condition of worldly people. And the so-called people of God imprisoned themselves for "spiritual" progress within the walls of monasteries cutting themselves off from the rest of humanity. And on top this, the people of Sharia started telling that Islam's purpose is achieved if everyone became pious in their own boundary walls of individual religions. The result was that the nation of Islam as a whole stopped at the place where it was; and became fossilized in time capsule. This is the hell or جحیم (*Jaheem*) that the Muslim nation is in since that time. The meaning of stopping at one place is that intellectual abilities of such a nation become devoid of evolution. That is, that nation does not possess the abilities of thinking and rational understanding. How clearly the Quran describes this situation when it says: وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (67:10) – Truly we did not utilize our intellect and ability to think; and we opposed him (the warner) with sheer prejudice and stubbornness. Had we listened to him attentively and used our intellect, we would not be in this Hell?

There is another point to note here. A nation that abandons its thinking at a certain point of its evolution deceives itself that *that* is its pinnacle of humanity; and that no other nation can reach that level. That is how it pretends itself that its hell is heaven; and does not want to get itself out of the hell it is really in. In other words, it does not see its hell. This is because one can only

see the prevailing hell only if one has the ability to see it: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (79:36) – Hell will become visible to those who are capable of seeing it.

***

Summary of our discussion until this point

This was, my dear friends, the related point that had come in the course of our discussion about why the Quran puts so much emphasis on universality of the humankind. Since we drifted somewhat from our topic, it seems necessary at this point to recap the story in few words in order to maintain continuity with what we were discussing until this point.

1. The difference between secular state and divine state is that to secular state the only thing counts is the protection of national interests; and political opportunism and expediency become the tools and policies to achieve them. On the other hand, the purpose for which the divine state strives is to protect the eternal principles or universal permanent values; and lays down policies and procedures to implement them in real life. The secret of humankind's welfare and benefit, and its progress and evolution lies in practical realization of these eternal principles.
2. These eternal principles are clearly spelled out in the Quran. The constitution of the Islamic state is built on these principles.

Fear and grief

The Quran has summarized in just few words the result of the divine state: فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (2:38) – those who will order their lives in accordance Our guidance, will suffer no fear and sorrow. Those who tread the life under the guidance of Allah's book will remain free of fear and free of grief.

To remain free of fear is political security and to remain free of grief is economic independence. There would be no political oppression of any kind in this state. There would be no economic dependence of any sort in this state. In the words of Iqbal:

There will be no dependence in this state of any kind;
This is the meaning of the clear Sharia, in a nutshell!

***

Form of government

As far as the form of government is concerned, the Quran has not given any specific details about it. But it does specify an eternal principle behind it: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (42:38) – They decide their affairs through mutual consultations and according to Divine Laws. Matters of state will be decided by mutual consultation of the Ummah in the light of the Quran.

The machinery of government will not reside under the control of any individual, or family, or group. This will remain under the collective trusteeship of the Ummah which will hand it to its representatives. And as has been mentioned earlier the standard for selecting Ummah's representatives will be: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (49:13) – According to the Divine Law the criteria to determine status or superiority is how closely and consciously one follows and guards the Divine Laws? And Who obeys Allah more? The one whose whole life will be in conformity with this criterion will be the most worthy of respect. The criterion for superiority in this state will not be race or status, but personal character and behavior.

Those who are the closest in obeying the laws of Allah will be the most respected. And these people will represent the Ummah who, by adhering to the boundary lines of eternal universal principles of the Quran, will form the detailed laws and will decide the form of government depending on the demands of the time and the circumstances.

My dear friends, you would have realized by now that Islamic government is not the name of any specific form or style of government. It is a means to protect and propagate the permanent values as determined by the Quran; and the government machinery is to practically establish and implement them. Whatever means are acquired to achieve this goal will be called Islamic provided that these means do not violate the principles of the Quran. By keeping the Quranic values intact, whatever style or form of government is adopted that will be Islamic.

Difficulties in constitution making

In the light of these explanations, my dear friends, could there be any difficulty in drafting and compiling an Islamic constitution? In this process all the difficulties that we encounter are our own – conscious or unconscious – self-creations. Our most fundamental mistake is that we take Islam (without thinking) as one comprising of rituals and Sharia laws of the period when the train of دین (*Deen*) was hijacked by kings and put on a different track. Unless and until we come out of this misunderstanding and keep accepting that version of "Islam" as the true Islam, even the concept of Islamic constitution won't appear before us. Those who are involved in this misunderstanding must understand that the religion of "Islam" that they are promoting; and the Sharia law that they are pushing for adoption as the state's constitution; and think that this way we will regain our standing as a developed nation among the community of nations – then they are gravely mistaken. What they are advocating is the non-Quranic religion in the name of Islam. The Quran's دین

دین (*Deen*) guarantees its followers the leadership of the world among its contemporary nations, let alone being in the ranks of developed nations.

The religion of the enliven hearts is not a pipedream;
They create another world from the dust of old realm!

And when it is the fact that our current religion is not the real Islam then asking its custodians to give us the Islamic constitution is nothing but self-deception.

Who knows who has told these naivetés?
One who picks up sword becomes Farhad!

Our scholars and Islamic constitution

The prerequisite for Islamic constitution is that one must have full comprehension of the permanent values of the Quran and be knowledgeable about the contemporary issues of the time. As for our Ulemas, the so-called Islamic scholars, they are devoid of both. Therefore, to turn to them for framing the Islamic constitution is fundamentally wrong. In the words of Iqbal:

What is nation; and what is leadership of nations?
How the Mullahs of ritual-based Islam could fathom?

The Quran says: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (4:58) – In order to establish the Quranic system, it is necessary to entrust responsibility to those who are capable of discharging it. Drafting a constitution requires huge responsibility. It is a great trust on behalf of the people. It cannot be entrusted to those who are not worthy of this trust. Otherwise, it will be a breach of trust. We made this mistake once and have been suffering for nine years. If we lose this opportunity again – which Allah has given us – to redeem ourselves, then our punishment will be much severe this time.

My dear friends, at this time I want to clarify one point. When I criticize the custodians of our present religion then it is not directed against any specific individual but to the institution of priesthood which has no place in Islam. As for individuals, there are many whom I respect very much because of their character and integrity.

***

If people become pious then State will become Islamic

In regards to Islamic constitution it is heard from certain quarters that if people become true Muslims; if they become pious; if they become honest – then the state will automatically become Islamic. This logic is very interesting. This is similar to saying to those who are in-charge of government: Please fix the machinery that runs the government so that the crimes and corruption disappears; so that respect for laws develops in people's hearts; so that they could live in peace and security. In reply to this the government will say: if people respect the laws; if they don't commit crimes and live life as peaceful citizens – then the government will automatically become good.

The Quran mentions a great point in regards to the above arguments. It says that as far as individual ethics is concerned it is found just about everywhere. No one advocates:

lying, stealing, deceiving, oppressing, exploiting people, etc. In contrast, it is encouraged everywhere that: be honest, don't steal, don't deceive, don't oppress, live a life of piety, etc. But, despite this, it is a fact that people do not practice what they preach. Religion only preaches; it only considers its duty to give sermons to people about piety and honesty. The Quran says that sermonizing is not enough. People won't become pious and honest by sermons only. It is not because the sermons do not have impact on people; it is not that people do not want to become honest and pious. Except few who are deliberately criminal minded, pathologically dishonest, and willfully transgressing; most people want to live life along the right path, but, despite this, they are not able to. It is not their fault in this. It is extremely difficult, if not impossible, to lead life on the right path in wrong and corrupt society. It may be the case that an individual may develop good personal qualities in his character; but in collective societal matters individual reform would never become effective. For this it is necessary to establish a society in which it is not only easy to lead life on the right, but that it should also be comfortable and satisfying. That is, just as it is extremely difficult, and one faces roadblocks after roadblocks at every step, to lead a right life in a wrong society; in the same way, in the right society, it becomes extremely difficult for a person to lead wrong life in a right society.

Just as water flows easily downstream, it becomes easier to lead life on the right path in a right society.

The Quran, the truth teller

The Quran tells the people of the book: مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (4:47) – O Prophet (PBUH)! Tell these people of the book: that not only I have brought a Book, the Quran, which is the complete code of life, but also that it validates the claims made in your scriptures. For example, you say that oppressors will never be able to flourish. The Quran also says this: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (6:135) – Allah never lets the oppressors succeed. But despite your sermons, oppressors continue to succeed. So, I have brought the practical program which actually proves that oppressors will not succeed. The name of this practical program is Islamic state. It is impossible for an individual to put the world on the right path. The forces of evil are so strong and so wide-spread that it is impossible to face them individually. The Quran teaches us to face the facts. That is why it does not tell something to individuals which is beyond their power.

The goal of mysticism

The Quran declares that mysticism is not from Allah, but it is an ideology created by human mind. This ideology does not mean that one need to go to jungle and lead a life of asceticism. The meaning of this ideology is to live individual life; to try to be pious on an individual basis. The Quran declares this type of life against Allah's will of leading a collective life. This is what it calls Islamic state.

How Islamic state makes people pious?

At this point let us make it clear that the Islamic state does force people to become pious. Force is used only against deliberate transgressors of laws. It has a different program for making normal people pious.

To Be Continued...

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط و ضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔



(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.79
ISSUE
11

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

